جمادی الاولیٰ۔ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
اپریل۔ جون ۲۰۱۲ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

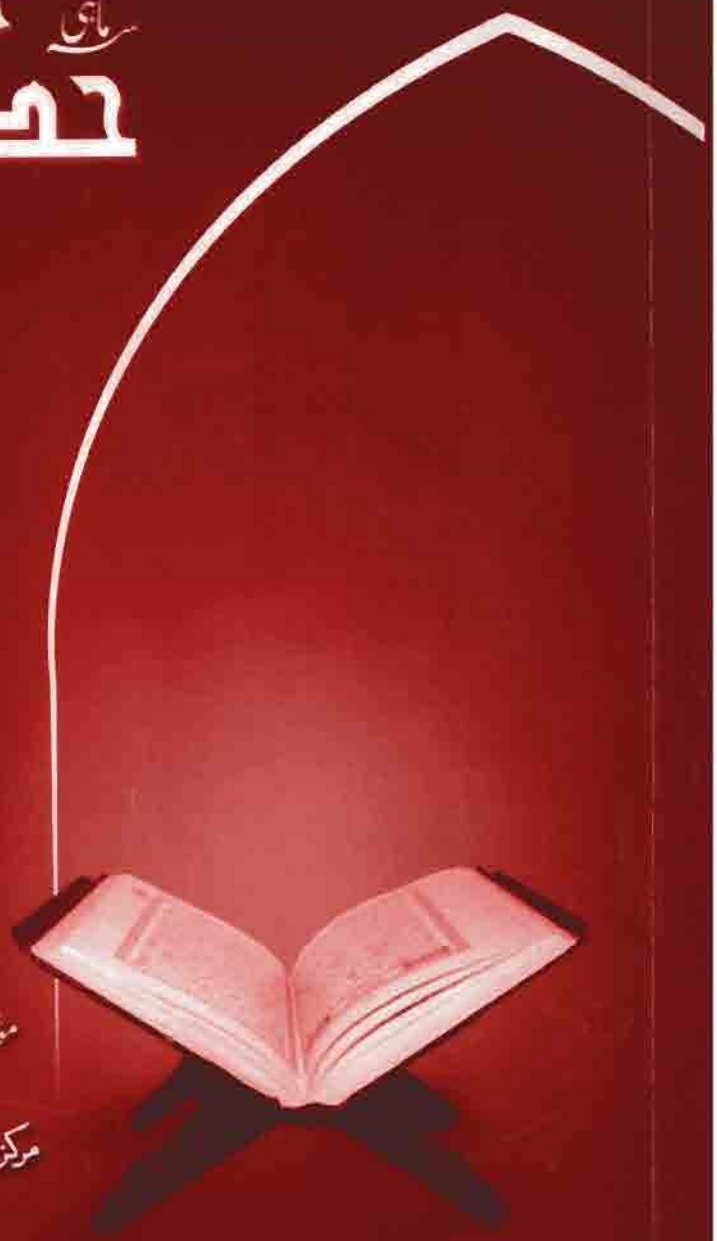

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن

پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصّہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن

صفحات: 360، قیمت 450 روپے (پانچواں ایڈیشن)

حصّہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ

صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصّہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ

صفحات 331، قیمت 400 روپے

عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ❁ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۱ — شمارہ ۲

جمادی الاولیٰ۔ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — اپریل۔ جون ۲۰۱۲ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرتعاون: 200 روپے، فی شمارہ: 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

قومی سانحہ	حافظ عاطف وحید	3

مضامینِ قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	5

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	14

حکمتِ نبویؐ

حکمت کے موتی	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	21

تذکّر و تدبّر

مقدّمۃ الخلافۃ الکبریٰ	خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ	25

اسلام اور سائنس

مستقبل کا نظریۂ حیات	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	53

فقہ و اجتہاد

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ	محمد اُنس حسّان	61

کتاب نما

تعارف وتبصرۂ کتب	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	77

دانشِ فرنگ

Islamophobia,Neo-Orientalism, and theProphet (SAWS)	Dr. Munawar A. Anees	88

بیان القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

قومی سانحہ

دینِ اسلام کا 'مزاج' ہی ایسا ہے کہ یہ اپنا غلبہ اور تسلط چاہتا ہے۔ بندۂ مومن سے اسی لیے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں اللہ کے سامنے سپردگی اختیار کرے اور اجتماعیاتِ انسانی کی سطح پر بھی اللہ کو بلاشرکتِ غیرے حاکم اعلیٰ تسلیم کیا جائے' کیونکہ الحقّ یَعلُو وَلَا یُعلٰی عَلَیْہِ!

آج امتِ مسلمہ کو جن مسائل و مشکلات کا سامنا ہے' چاہے وہ معاشی نوعیت کے ہوں یا عسکری نوعیت کے' اور چاہے وہ فکری پسماندگی سے عبارت ہوں یا اخلاق باختگی سے..... ان سب سے نبرد آزما ہونے کی شرطِ اوّلین یہی ہے کہ اللہ کی بڑائی اور اُس کے نظامِ عدل وقسط کو دل و جان سے قبول کر لیا جائے۔

کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ مسلمانانِ پاکستان بحیثیت قوم اُن عہدوں اور وعدوں سے منحرف ہو چکے ہیں جو اِس ملکِ خداداد کو حاصل کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے کیے گئے تھے؟ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ برسہا برس اس قوم کو وہ عہد اور وعدے یاد دلاتے رہے۔ وہ اِن وعدوں کے خود ''شاہد'' تھے' لہٰذا فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر یہ دعائیں مانگی تھیں کہ اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندو کی دُہری غلامی سے نجات عطا فرما' اور ایک آزاد خطۂ ارضی عطا فرما تا کہ ہم وہاں اسلام کے نظامِ عدل وقسط کو نافذ کر سکیں اور اسلامی اَقدار و اَفکار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

لیکن آج...؟ آج کیفیت یہ ہے کہ ع ''نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم!'' آج ہمیں نہ تو نظریہ پاکستان کا کچھ شعور ہے اور نہ ہی اسلام کے نظامِ عدل وقسط اور اسلامی اقدار و افکار کا کچھ پتا ہے..... ہماری نہ معاش اسلامی ہے اور نہ ہی معاشرت۔ اربابِ حکومت وسیاست کا تو کہنا ہی کیا ہے... اسلام بیزاری اُن کی ہر ہر ادا سے عیاں ہے... اہلِ کفر کے لیے نرم خو اور اسلام پسندوں کے لیے سخت گیر! یہود و نصاریٰ کی تہذیب وثقافت کے دلدادہ جبکہ غلبۂ اسلام کی راہ کے اوّلین مزاحم! نتیجتاً ابلیسی ایجنڈے... عریانی وفحاشی' بے حیائی اور بے غیرتی کے فروغ... سودی معیشت اور سرمایہ دارانہ فکر و فلسفہ کی علمبرداری میں پیش پیش! الغرض..... ''کما تکونون کذٰلك یُوَ مّر علیکم'' کا مصداقِ کامل ہونے کے اعتبار سے نااہل اور بے حس حکمرانی کے عذاب سے دوچار ہے آج کا یہ پاکستان!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہو جائیں گی' جوان بدکردار ہو جائیں گے اور تم جہاد ترک کر دو گے!'' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ بات واقعی ہوگی؟

فرمایا: ''ہاں' ہاں! اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس سے بھی بدتر حالات رونما ہوں گے''۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا حالات ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے حالات کیا ہوں گے جب تم معروف کا حکم نہ دو گے اور منکرات سے سے منع نہیں کرو گے!'' لوگوں نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا یہ بات واقعی ہوگی؟ فرمایا: ''ہاں' ہاں! اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس سے بھی بدتر حالات رونما ہوں گے''۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ مزید بدتر کیا حالات ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے حالات کیا ہوں گے جب تم برائی کو خوبی اور اچھائی کو منکر سمجھنے لگو گے!'' لوگوں نے (حیرانی سے) پوچھا کہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ فرمایا: ''ہاں' قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس سے بھی سخت تر حالات ہوں گے''۔ لوگوں نے (پریشان ہوکر) پوچھا کہ وہ کیا حالات ہوں گے؟ (فرمایا:) ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اس سے بھی شدید تر حالات رونما ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ (لوگوں کے کرتوتوں کے سبب) میں ان پر ایسا فتنہ مسلط کروں گا کہ سمجھدار اور حلیم لوگوں کی عقلیں بھی حیران رہ جائیں گی!''

تاریخ بنی اسرائیل میں ایک کردار بلعم بن باعوراء کنعانی کا رقم ہوا ہے (تورات' گنتی' باب ۲۲' ۲۳' ۲۴)۔ مفسر قرآن اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ الاعراف کی آیات ۱۷۵' ۱۷۶ میں بیان کردہ character سے مراد یہی شخصیت لی ہے۔ تاہم یہ مثال عام ہے اور ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے جو دینِ حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہو گیا ہو۔ گویا جب کوئی انسان یا قوم اپنے ارادے سے راہِ ہدایت کو ترک کر کے فسق و فجور کا راستہ اختیار کرے تو شیطان لازمی طور پر اُس سے رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔ "وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ....." میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے دنیا کی پستیوں اور زیب و زینت کی طرف جھک گیا۔ یہ تشبیہہ پریشانی اور ذلت کے لحاظ سے ہے۔ گویا اُسے راحت و سکون کسی حال میں نہیں' پریشانی اور ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آ گئی۔

پاکستان کے اَحوال کے بیان میں بلعم کنعانی کا تذکرہ کسی المیہ سے کم نہیں۔ تاہم علماء و صلحائے قوم اگر معاملہ کی نزاکت کو محسوس نہیں کر رہے ہیں تو یہ اس سے بھی بڑا المیہ بلکہ عظیم سانحہ ہے۔ بقول شاعر۔

حادثے سے بڑا سانحہ یہ ہوا
لوگ ٹھہرے نہیں حادثہ دیکھ کر!

کیا یہ قابل تعجب بات نہیں ہے کہ ۹۶' ۹۷ فیصد مسلم آبادی والے ملک میں' جہاں کی ۹۰ فیصد سے زائد مسلم آبادی یا تو امام اعظم امام ابوحنیفہؒ سے اپنی نسبت قائم کرتی ہے یا امام اہل سنت امام احمدؒ بن حنبل اور اسلام کے بطل جلیل حجۃ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے عقیدہ و عمل کو اپنے لیے مشعل راہ قرار دیتی ہے' یہ صورتحال پیدا ہو جائے کہ حیاتِ انسانی کے کسی شعبہ میں بھی دین اپنی اصلی اور عملی شکل میں موجود نہ ہو! حالانکہ دین کا پڑھنا پڑھانا جاری و

(باقی صفحہ 79 پر)

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورَۃُ الْحَدِید

سورۃ الحدید سے پہلے سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ سات مکّی سورتوں کا ایک گلدستہ ہے' جو اختتام پذیر ہوا۔ اب یہاں سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتوں کا گلدستہ ہے جو قرآن حکیم میں سورتوں کی تعداد کے حوالہ سے مدنی سورتوں کا سب سے بڑا گلدستہ ہے۔ ان سورتوں کا ایک خاص معاملہ یہ ہے کہ یہ مدنی دور کے نصف آخر میں نازل ہوئی ہیں اور ان میں اصل خطاب اُمتِ مسلمہ سے ہے' اور ان سورتوں کے جو اہم موضوعات ہیں وہ بھی مسلمانوں ہی سے متعلق ہیں۔ ان میں دوسری مشترک بات یہ ہے کہ دوسری بڑی مدنی اور مکی سورتوں میں جو مضامین تفصیلاً زیر بحث آئے ہیں' ان کا خلاصہ ان سورتوں میں دیا گیا ہے۔ اُمت مسلمہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ضمناً اہلِ کتاب کا بھی ذکر آیا ہے' لیکن وہ صرف بطور نشانِ عبرت کے ہے۔ ان کی غلطیوں' سرکشیوں اور نافرمانیوں' جن کی وجہ سے ان کو اس مقام سے معزول کیا گیا جس پر اب نئی اُمتِ مسلمہ کو فائز کیا گیا ہے' سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان ان راہوں سے بچیں جن پر یہ لوگ چلے تھے اور نتیجتاً عذابِ الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔

ان میں سے پانچ سورتوں (الحَدید' الحَشر' الصَّف' الجُمعۃ' التَّغابن) کا آغاز سَبَّحَ لِلّٰہِ یا یُسَبِّحُ لِلّٰہِ یعنی تسبیح خداوندی سے رہا ہے' اس لیے ان پانچ سورتوں کے مجموعے کا ایک نام ''اَلْمُسَبِّحات'' بھی ہے۔ اس مجموعہ میں سب سے بڑی سورۃ ''سورۃ الحدید'' ہے جو سب سے زیادہ جامع بھی ہے۔ میں نے اس کو ''اُمُّ الْمُسَبِّحات'' کا نام دیا ہے' اس لیے کہ ان مُسَبِّحات سورتوں کے تمام مضامین جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید میں آئے ہیں' جبکہ بقیہ سورتوں میں ایک ایک مضمون کسی قدر شرح وتفصیل سے آیا ہے۔ مجھے اس سورۃ سے ایک خاص قلبی اور ذہنی لگاؤ ہے اور میرے نزدیک اس سورۃ کا وہی مقام ومرتبہ ہے جو مکی سورتوں میں سورۃ الشوریٰ کا ہے۔

اس سورۃ کی پہلی چھ آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ہیں' اور میرے اندازے (assesment) کے مطابق یہ اس ضمن میں قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ فرمایا:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ زبردست' حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کے لیے ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے اول (پہلا) اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں اور غالب) اور وہی ہے باطن (چھپا ہوا اور انتہائی مخفی)' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں' پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے' اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو' اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے' اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) بالآخر اُسی کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ سینوں کے پوشیدہ راز تک جانتا ہے۔''

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے حوالہ سے یہ قرآن مجید کا سب سے عظیم مقام ہے اور ان آیات میں چوٹی کی آیت ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾۔ اس چھوٹی سی آیت کی ہمارے صوفیاء اور فلاسفہ کے نزدیک بہت اہمیت ہے۔ امام رازی' جو بہت بڑے منطقی' فلسفی اور متکلم ہیں' اس آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں: **اعلم ان هذا المقام مقام غامض عميق مهيب** ''جان لو کہ یہ مقام انتہائی غامض' عمیق' نہایت گہرا اور پُر ہیبت مقام ہے۔''

اگلی چھ آیات (۷ تا ۱۲) میں اللہ تعالیٰ کے انسانوں سے دو تقاضے بیان ہوئے ہیں: ایمان اور انفاق۔ یہ گویا انسانوں کی کامیابی کی دو شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ ہمیں ماننے جیسے ماننے کا حق ہے اور دوسری یہ کہ جو کچھ ہم نے اس کو دیا ہے اسے ہماری راہ میں لگا دے اور کھپا دے۔ اب جو شخص یہ دونوں کام کرے گا وہ کامیاب قرار پائے گا اور جو ان سے پہلو تہی کرے گا وہ ناکام و نامراد ہوگا۔ فرمایا:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

''ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر (یا ایمان رکھو اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر) اور خرچ کر دو (لگا دو کھپا دو) ان سب چیزوں میں سے جس میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ تو جو لوگ تم میں سے (دین متین کے یہ دو تقاضے پورے کر دیں' یعنی) ایمان لے آئیں اور انفاق کا حق ادا کر دیں تو ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

اس آیت میں جامعیت کے ساتھ دین کے تقاضوں کو دو الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے' جبکہ اس کے بعد ہر ایک تقاضے پر دو دو آیات آ رہی ہیں۔ ایک آیت میں ذرا سرزنش اور ملامت کا انداز ہے اور دوسری میں ترغیب وتشویق ہے۔ ایمان باللہ کے حوالے سے فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے درانحالیکہ رسول تمہیں دعوت دے رہا ہے کہ اپنے ربّ پر ایمان رکھو اور وہ تم سے قول وقرار لے چکا ہے' اگر تم واقعی مؤمن ہو۔''

اگلی آیت بھی ایمان باللہ کے حوالے سے ہے لیکن اس میں ترغیب وتشویق ہے اور ایمان کا منبع وسرچشمہ قرآن کو قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''وہی ہے (اللہ) جو نازل فرما رہا ہے اپنے بندے پر روشن آیات' تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے' اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

اگلی دو آیات (۱۰'۱۱) دین کے دوسرے تقاضے یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت میں وہی سرزنش کا سا انداز ہے۔ فرمایا:

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (تم پر بخل کیوں طاری ہو گیا؟ تم نے سینت سینت کر رکھنے کی روش کیوں اختیار کر لی؟) حالانکہ آسمان وزمین کی وراثت تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ (تم سب دنیا سے چلے جاؤ گے اور یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے رہ جائے گا۔) برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے انفاق اور قتال کیا تھا۔ ان کے درجات بہت بلند ہیں اُن کے مقابلے میں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور قتال کیا' اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

اس آیت میں خرچ کرنے کے دو درجات بتائے گئے ہیں کہ جنہوں نے اسلام کی غربت' کمزوری اور فتح سے قبل خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی ان کا درجہ ورتبہ ان لوگوں کی نسبت بہت بلند ہے جو یہی کام اسلام کو غلبہ حاصل ہونے کے بعد کر رہے ہیں۔

آیت ۱۱ بھی انفاق ہی سے متعلق ہے لیکن اس میں انداز ترغیب وتشویق کا ہے۔ فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝

''کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسنہ تو اللہ اسے اس کے لیے بڑھاتا رہے' اور اس کے لیے بہت بڑا باعزت اجر ہے۔''

اب خرچ نہ کرنا' بچ بچ کر چلنا اور منجھدار میں کودنے سے پہلوتہی کرنے کا نتیجہ نفاق ہے۔ ''انفاق'' اور ''نفاق'' میں بس ایک ''الف'' ہی کا فرق ہے —— اس سورۃ کی آیات ۱۲ تا ۱۵ بھی اہلِ ایمان اور منافقین کے مابین تفریق ہی سے متعلق ہیں۔ پھر ان میں سے بھی میرے نزدیک پورے قرآن مجید میں آیت ۱۳ نفاق کی حقیقت کے موضوع پر عظیم ترین آیت ہے جس میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے' جس میں ایک مرحلہ ایسا آئے گا جسے ہم ''پل صراط'' سے تعبیر کرتے ہیں' اس مرحلہ پر اہلِ ایمان اور منافق چھانٹ چھانٹ کر علیحدہ کر دیے جائیں گے۔ اُس وقت منافق اہلِ ایمان کو پکاریں گے۔

یُنَادُوْنَہُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ۝

''وہ انہیں پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ (اہلِ ایمان) کہیں گے: کیوں نہیں! (یعنی دنیا میں تو تم بھی مسلمان شمار ہوتے تھے) مگر تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کیا اور پھر تم گومگو اور شکوک و شبہات کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے' اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکہ دیتا رہا۔''

اس سورۃ کی آیت ۱۶ بھی میرے نزدیک اپنے مضمون ''تاخیر و تعویق'' کے اعتبار سے قرآن مجید کا نقطۂ عروج ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُہُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْہِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُہُمْ ؕ وَکَثِیْرٌ مِّنْہُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

''کیا ابھی وقت نہیں آیا ہے اہل ایمان کے لیے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے اور (وہ تسلیم کر لیں اس سب کو) جو حق میں سے نازل ہوا ہے؟ اور نہ ہو جائیں ان لوگوں کے مانند جنہیں کتاب دی گئی تھی پہلے' تو ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے' اور ان میں بہت سے فاسق و فاجر ہیں۔''

آیت ۲۰ بھی میرے نزدیک قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ اس میں دُنیوی زندگی کی حقیقت کھول کر دکھا دی گئی ہے اور اس میں انسانی زندگی کے پانچ مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دِل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا' پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی' پھر وہ بُھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

آیت ۲۵ اس سورۃ کی عظیم ترین آیت ہے اور اس پوری سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ ہم نے کتاب بھی اتاری اور میزان بھی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی صلاحیت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے منافع بھی' تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون ہیں (اس کے وفادار بندے) جو غیب میں رہتے ہوئے بھی اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا' زبردست ہے۔''

میزان دراصل وہ نظامِ شریعت ہے جس میں ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے گئے ہیں تاکہ کوئی نہ تو کسی کو اس کے حق سے محروم کرے اور نہ خود اپنے حق سے زیادہ حاصل کرے۔ یہ میزان صرف دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ نصب کرنے کے لیے اتاری گئی ہے' اور پھر جو اس میزان اور نظامِ شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے تو ان کا سر کچلنے کے لیے ہم نے لوہا اتارا ہے۔

یہ موضوع دراصل دین کے فلسفے اور حکمت کے حوالہ سے اہم ترین موضوع ہے۔ جس نے اس کو نہیں سمجھا اس کے نزدیک دین صرف ایک مذہب بن کر رہ جائے گا اور اس کی حیثیت ایک مکمل نظام کی نہیں رہے گی' لہٰذا جس نے اس آیت اور اس کے مفہوم کو سمجھ لیا تو اس کے سامنے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اس سے بڑا انقلابی پیغام اور کوئی نہیں ہے۔ اسی نظامِ عدل کو سورۃ الشوریٰ میں بایں بیان کیا گیا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ﴾ (آیت ۱۷)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی اور میزان اُتاری۔''

سُورۃُ المُجَادَلَة

یہ سورۃ ۲۲ آیات اور ۳ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا میں ظِہار کے احکام تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں اگر کوئی شخص غصے میں اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ تم میری ماں کی طرح ہو' تو سمجھا جاتا تھا کہ اب وہ اس پر ماں کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ اس سورۃ کی ابتدائی چار آیات میں ظِہار

کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ زبان سے کہہ دینے سے بیوی ماں نہیں بن جائے گی' البتہ اس طرح کہنے پر شوہر کے ذمہ کفارہ لازم ہوگا۔ فرمایا:

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ۝ وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝

''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے — اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے — پس جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ پس جو اس کی بھی طاقت نہ رکھے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے تقاضے ادا کرو۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' اور نہ ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیات ۷ تا ۱۳ میں نجویٰ یعنی دینی اسلامی جماعت اور اُس کے قائد یا رہنما کے خلاف سازشی انداز میں باتیں کرنے اور کھسر پسر کرنے سے متعلق تفصیلی احکام آئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ باور کرایا گیا ہے کہ کسی بھی اسلامی جماعت اور اس کے مقصد کو دیمک کی طرح چاٹ جانے والی شے یہ نجویٰ ہے۔ اس لیے اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا' بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا' اور اللہ سے ڈرتے رہنا جس کے سامنے تم جمع کیے جاؤ گے۔''

آیات ۱۴ تا ۱۹ میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے والوں کے برے انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے تھے جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے' اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں یقیناً برا ہے..... جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اللہ کے سامنے

بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے تھے اور گمان کریں گے کہ شاید (بچنے کی) کوئی راہ نکل آئے۔ سن لو! یہ بہت جھوٹے ہیں۔''

سورۃ کے آخر (آیات ۲۰ تا ۲۲) میں وہ مضمون آ گیا جو ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ﴿۲۰﴾ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؕ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور' زبردست ہے۔ وہ لوگ جو حقیقتاً اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمنوں سے ہرگز محبت کرنے والا نہ پاؤ گے' خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے' یا ان کے بھائی ہوں یا رشتہ دار۔ (ایسے لوگ جن کی دلی محبت اللہ' اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ ہو' اور وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے تیار ہو گئے ہوں) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے روحِ خاص سے۔ اور اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ ہیں اللہ کی جماعت کے لوگ' آگاہ رہو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔'' (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

سُورَۃُ الحَشْر

یہ سورۃ سلسلۂ ''مُسَبِّحات'' کی دوسری سورۃ ہے' اور سورۃ الحدید کی طرح سَبَّحَ لِلّٰہِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ①﴾ ''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہ غالب' حکمت والا ہے۔''

آیات ۶ تا ۱۰ میں مالِ فے اور اس کے مصارف کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ مالِ فے سے مراد وہ مفتوحہ مال اور اراضی ہے جو بغیر جنگ اور لڑائی کے مسلمانوں کی جماعت کو حاصل ہو جائے۔ اس کے مصارف مالِ غنیمت کے مصارف سے مختلف ہیں۔ فرمایا:

''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا وہ ایسا (مال) نہیں ہے جس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے' بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلّط عطا فرما دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ

ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستی والوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ' رسول' (رسول کے) رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے' تاکہ وہ (مال و دولت) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اور جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (آیات ۶۔۷)

ان آیات میں ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ﴾ کے الفاظ میں اسلامی نظامِ معیشت کا ایک بنیادی اصول بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اصولی آیات میں سے ہے' جس میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش ایک خاص طبقہ کے بجائے پورے معاشرے میں یکساں ہونی چاہیے۔

اس سورۃ کا اہم ترین حصہ اس کا آخری رکوع ہے اور اس رکوع کی ہر آیت قابل توجہ ہے۔ آیت ۱۸ میں آخرت کی تیاری کے حوالے سے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل (یوم قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بے شک وہ تمہارے سب اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔''

آیت ۱۹ فلسفہ و حکمت دین کے اعتبار سے چوٹی کی آیت ہے۔ کہا جا رہا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے اُن کو اپنے آپ سے غافل کر دیا۔ یہی تو بدکردار لوگ ہیں۔''

اس کے بعد آیت ۲۱ میں قرآن مجید کی عظمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ اور یہ وہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

ایسی ہی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ سے سورۃ الاعراف میں آئی تھی۔ جب اُن کی طرف سے دیدارِ الٰہی کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ایک پہاڑ پر ڈالی تو وہ پہاڑ اس تجلی کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ قرآن مجید بھی چونکہ اللہ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے لہٰذا اس کی شان بھی یہی ہے کہ اگر اسے کسی پہاڑ پر اُتار دیا جاتا تو اس پہاڑ کا نقشہ بھی وہی ہوتا۔

سورۃ الحشر کی آخری تین آیات سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات کی مانند عظیم مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنہ کا قرآن کریم میں سب سے بڑا گلدستہ آیا ہے۔ کسی اور مقام پر تین

آیات میں سولہ (۱۶) اسماء حسنیٰ کا مجموعہ نہیں ملے گا۔ اس لیے یہ آیات معرفتِ خداوندی کے عظیم خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا' بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ' پاک' سلامتی اور امن دینے والا' نگہبان' غالب' زبردست' بڑائی والا۔ پاک ہے اللہ ان سے جو وہ شریک مقرر کرتے ہیں۔ وہی اللہ پیدا کرنے والا' ایجاد کرنے والا' صورتیں بنانے والا ہے' اُسی کے لیے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے' اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

❁❁❁

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ النساء

آیت ۵۹

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝

ترکیب: ''اُولُوْا'' کی نصب اور جر دونوں ''اُولِیْ'' آتی ہے۔اس آیت میں یہ ''اَطِیْعُوْا'' پر عطف ہونے کی وجہ سے مفعول ہے اور حالتِ نصب میں ہے۔ ''كُنْتُمْ'' کا اسم اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''تُؤْمِنُوْنَ'' اس کی خبر ہے۔ ''ذٰلِكَ'' مبتدأ ہے۔ ''خَیْرٌ'' اس کی خبر اوّل ہے اور ''اَحْسَنُ'' خبر ثانی ہے' جبکہ ''تَاْوِیْلًا'' تمیز ہے۔

ترجمہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ : اے لوگو جو	اٰمَنُوْٓا : ایمان لائے
اَطِیْعُوا : تم لوگ اطاعت کرو	اللّٰهَ : اللہ کی
وَاَطِیْعُوا : اور اطاعت کرو	الرَّسُوْلَ : رسولؐ کی
وَاُولِی الْاَمْرِ : اور حکم والوں کی	مِنْكُمْ : تم میں سے
فَاِنْ : پھر اگر	تَنَازَعْتُمْ : تم لوگ باہم کھینچا تانی کرو
فِیْ شَیْءٍ : کسی چیز میں	فَرُدُّوْهُ : تو لوٹا دو اس کو
اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف	وَالرَّسُوْلِ : اور رسولؐ کی طرف
اِنْ كُنْتُمْ : اگر تم لوگ	تُؤْمِنُوْنَ : ایمان رکھتے ہو

بِاللّٰهِ :اللہ پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ :اور آخری دن پر
ذٰلِكَ :یہ	خَيْرٌ :سب سے بہتر ہے
وَّاَحْسَنُ :اور سب سے اچھا ہے	تَاْوِيْلًا :بلحاظ انجام کار کے

نوٹ ۱ :اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بعد جو اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے وہ اولی الامر کی اطاعت ہے۔ مسلمانوں کی فکری راہنمائی کرنے والے علماء' سیاسی راہنمائی کرنے والے لیڈر' ملکی انتظام کرنے والے حکام' عدالتی فیصلے کرنے والے جج وغیرہ سب اولی الامر میں شامل ہیں۔ جو شخص جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے اس کی اطاعت لازمی ہے۔ اس سے تنازعہ کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے' البتہ اولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تحت ہو گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے' خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند' تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم دیا جائے۔ اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے نہ ماننا ہے۔ (بخاری و مسلم' بحوالہ تفہیم القرآن)

بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں قرآن وسنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں ہے' نہ وہ واجب ہیں' نہ حرام ہیں' بلکہ اختیاری ہیں۔ ان کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے۔ ایسے معاملات میں عملی انتظام اولی الامر کے سپرد ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ ۲ :ہندوستان پر انگریزوں کے دورِ حکومت میں مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اور کچھ علماءِ سوء نے اس آیت کے حوالے سے کہا تھا کہ مسلمانوں پر اولی الامر کی اطاعت فرض ہے اور اس وقت انگریز ہمارے اولی الامر ہیں اس لیے ان کی اطاعت بھی فرض ہے۔ لیکن اسی آیت میں لفظ اولی الامر کے آگے ''مِنْكُمْ'' کا اضافہ کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ اطاعت کا حکم ایسے اولی الامر کے لیے ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہو۔

آیات ۶۰ تا ۶۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۚ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۡ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ۝

ز ع م

زَعَمَ ۔ يَزْعُمُ (ن) زُعْمًا :کسی غلط یا غیر یقینی بات کو یقینی سمجھنا یا جتانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

زَعَامَةً : کسی چیز کا ذمہ دار اور جواب دہ ہونا' ضامن ہونا۔

زَعْمٌ (اسم ذات) : گمان' خیال۔ ﴿هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ﴾ (الانعام:۱۳۶) ''یہ اللہ کے لیے ہے ان کے خیال میں۔''

زَعِیْمٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : جواب دہ' ضامن۔ ﴿سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ﴾ (القلم) ''آپؐ ان سے پوچھیں کہ ان میں سے کون اس کا ضامن ہے؟''

ح ل ف

حَلَفَ ۔ یَحْلِفُ (ض) حَلْفًا : قسم کھا کر عہد و پیمان کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

حَلَّافٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بار بار اور کثرت سے قسم کھانے والا۔ ﴿فَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ﴾ (القلم) ''اور تو کہنا مت مان ہر ایک بے وقعت قسمیں کھانے والے کا۔''

ترکیب: ''یَتَحَاکَمُوْٓا'' کا مفعول محذوف ہے' ''اِلَی الطَّاغُوْتِ'' متعلق فعل ہے۔ ''بِهٖ'' کی ضمیر طاغوت کے لیے ہے۔ ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''قِیْلَ'' شرط اور ''رَاَیْتَ'' اس کا جواب شرط ہے۔ اس لیے دونوں کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ ''یَحْلِفُوْنَ'' حال ہے۔

ترجمہ:

اَلَمْ تَرَ : کیا آپؐ نے غور نہیں کیا	اِلَی الَّذِیْنَ : ان لوگوں کی طرف جو
یَزْعُمُوْنَ : جتاتے ہیں	اَنَّهُمْ : کہ وہ لوگ
اٰمَنُوْا : ایمان لائے	بِمَآ : اس پر جو
اُنْزِلَ : اُتارا گیا	اِلَیْكَ : آپؐ کی طرف
وَمَآ : اور جو	اُنْزِلَ : اتارا گیا
مِنْ قَبْلِكَ : آپ سے پہلے	یُرِیْدُوْنَ : وہ لوگ چاہتے ہیں
اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا : کہ فیصلے کے لیے لے جائیں (جھگڑے کو)	اِلَی الطَّاغُوْتِ : سرکشوں کی طرف
وَ : حالانکہ	قَدْ اُمِرُوْٓا : حکم دیا گیا ہے ان کو
اَنْ یَّكْفُرُوْا : کہ وہ انکار کریں	بِهٖ : اس کا
وَیُرِیْدُ : اور چاہتا ہے	الشَّیْطٰنُ : شیطان
اَنْ یُّضِلَّهُمْ : کہ وہ گمراہ کرے ان کو	ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا : دور کی گمراہی میں
وَاِذَا : اور جب بھی	قِیْلَ : کہا جاتا ہے
لَهُمْ : ان سے	تَعَالَوْا : تم لوگ آؤ
اِلٰی مَآ : اس کی طرف جو	اَنْزَلَ : اتارا
اللّٰهُ : اللہ نے	وَاِلَی الرَّسُوْلِ : اور رسولؐ کی طرف

رَاَیْتَ :تو آپؐ دیکھتے ہیں	الْمُنٰفِقِیْنَ :منافقوں کو
یَصُدُّوْنَ :(کہ) وہ لوگ رکتے ہیں	عَنْكَ :آپؐ سے
صُدُوْدًا :جیسے کہ رکا جاتا ہے	فَكَیْفَ :تو کیسا ہوگا
اِذَآ :جب	اَصَابَتْهُمْ :آن لگے گی ان کو
مُّصِیْبَةٌ :کوئی مصیبت	بِمَا :اس کے سبب سے جو
قَدَّمَتْ :آگے بھیجا	اَیْدِیْهِمْ :ان کے ہاتھوں نے
ثُمَّ :پھر	جَآءُوْكَ :وہ آئیں گے آپؐ کے پاس
یَحْلِفُوْنَ :قسم کھاتے ہوئے	بِاللّٰهِ :اللہ کی
اِنْ :(کہ) نہیں	اَرَدْنَآ :ارادہ کیا ہم نے
اِلَّآ :مگر	اِحْسَانًا :بھلائی کا
وَّتَوْفِیْقًا :اور ہم آہنگ کرنے کا	اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ :وہ لوگ ہیں کہ
یَعْلَمُ :جانتا ہے	اللّٰهُ :اللہ
مَا :اس کو جو	فِیْ قُلُوْبِهِمْ :ان کے دلوں میں ہے
فَاَعْرِضْ :تو آپؐ اعراض کریں	عَنْهُمْ :ان سے
وَ :اور	عِظْهُمْ :آپؐ نصیحت کریں ان کو
وَقُلْ :اور آپؐ کہیں	لَّهُمْ :ان سے
فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ :ان کے جی (یعنی دل) میں	قَوْلًا :بَلِیْغًا: ایک پہنچے (یعنی اُترنے) والی بات

نوٹ: آیت ۶۰ اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ یہ ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے۔ یہاں طاغوت سے یہی مراد ہے۔ (ابن کثیر)

آیات ۶۴۔۶۵

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

ح ر ج

حَرِجَ ۔ یَحْرَجُ (س) حَرَجًا: کسی چیز کا تنگ ہونا۔ پھر استعارۃً گناہ ہونے کے لیے آتا ہے' کیونکہ احساسِ گناہ (guilty conscience) انسان کے دل کو بھینچتا یعنی تنگ کرتا ہے۔

حَرَجٌ (اسم ذات) :تنگی' گناہ۔﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)''اور اس نے نہیں بنائی تم پر دین میں کوئی تنگی''۔﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ (النور:٦١)''اندھے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

ترکیب:''لِيُطَاعَ'' مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو رسول کے لیے ہے۔''وَلَوْ اَنَّهُمْ'' کا ''لَوْ'' شرطیہ ہے اور ''لَوَجَدُوْا'' پر لام جوابِ شرط کا ہے اس لیے ترجمہ اسی لحاظ سے ہو گا۔''وَرَبِّكَ'' میں ''رَبِّ'' کی جر بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے واؤ قسمیہ ہے۔

ترجمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا :اور ہم نے نہیں بھیجا	مِنْ رَّسُوْلٍ :کوئی رسول
اِلَّا :مگر	لِيُطَاعَ :(اس لیے) کہ اس کی اطاعت کی جائے
بِاِذْنِ اللّٰهِ :اللہ کے اذن سے	وَلَوْ :اور اگر
اَنَّهُمْ :یہ (ہوتا) کہ وہ لوگ	اِذْ ظَّلَمُوْٓا :جب انہوں نے ظلم کیا
اَنْفُسَهُمْ :اپنے آپ پر	جَآءُوْكَ :آتے آپؐ کے پاس
فَاسْتَغْفَرُوا :پھر استغفار کرتے	اللّٰهَ :اللہ سے
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ :اور استغفار کرتے ان کے لیے	الرَّسُوْلُ :رسولؐ
لَوَجَدُوا :تو وہ لوگ پاتے	اللّٰهَ :اللہ کو
تَوَّابًا :بار بار توبہ قبول کرنے والا	رَّحِيْمًا :ہر حال میں رحم کرنے والا
فَلَا :پس نہیں!	وَرَبِّكَ :آپؐ کے رب کی قسم
لَا يُؤْمِنُوْنَ :وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے	حَتّٰى :یہاں تک کہ
يُحَكِّمُوْكَ :وہ حاکم تسلیم کریں آپؐ کو	فِيْمَا :اس میں' جس میں
شَجَرَ :اختلاف کیا	بَيْنَهُمْ :آپس میں
ثُمَّ :پھر	لَا يَجِدُوْا :وہ نہ پائیں
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ :اپنے جی میں	حَرَجًا :کوئی تنگی
مِّمَّا :اس سے' جو	قَضَيْتَ :آپؐ نے فیصلہ کیا
وَيُسَلِّمُوْا :اور وہ لوگ تسلیم کریں	تَسْلِيْمًا :جیسے تسلیم کرتے ہیں

نوٹ:اس آیت کا حکم قیامت تک کے لیے ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے لیے نبیٔ وقت ہیں۔اس لیے آپؐ کی ہدایات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہیں۔ان کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مؤمن ہونے یا نہ ہونے کا انحصار ہے۔اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔(تفہیم القرآن سے ماخوذ)

آیات ۶۶ تا ۷۰

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

ر ف ق

رَفُقَ ۔ یَرْفُقُ (ک) رَفَاقَۃً : ساتھی ہونا' نرمی سے پیش آنا۔

رَفِیْقٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : ساتھی۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَفَقَ۔ یَرْفُقُ (ن) رَفْقًا : مدد کرنا' سہارا دینا۔

مِرْفَقٌ ج مَرَافِقُ (مِفْعَلٌ کے وزن پر اسم الآلہ): مدد کرنے یا سہارا دینے کا ذریعہ' کہنی۔ ﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝﴾ (الکھف) ''اور وہ اسباب پیدا کرے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں مدد کرنے کے ذریعے کے طور پر''۔ ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (المائدۃ:۶) ''تو تم لوگ دھوؤ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک۔''

اِرْتَفَقَ ۔ یَرْتَفِقُ (افتعال) اِرْتِفَاقًا : مدد یا سہارا لینا۔

مُرْتَفَقٌ (اسم المفعول' جو ظرف کے معنی میں آتا ہے) : سہارا لینے یعنی آرام کرنے کی جگہ۔ ﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝﴾ (الکھف) ''اور کیا ہی اچھی ہوئی بطور آرام کرنے کی جگہ کے۔''

ترکیب: ''مَا فَعَلُوْهُ'' کی ضمیر مفعولی ''کَتَبْنَا'' کے حکم کے لیے ہے جس کی وضاحت ''اَنِ'' کے ساتھ آگے آئی ہے۔ ''خَیْرًا'' اور ''اَشَدَّ'' کی نصب ''کَانَ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے' جبکہ ''تَثْبِیْتًا'' تمیز ہے۔ 'الصِّدِّیْقِیْنَ' الشُّهَدَاءِ'' اور ''الصّٰلِحِیْنَ'' یہ سب ''مِنْ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں آئے ہیں اور یہ ''مِنْ'' بیانیہ ہے۔ ''حَسُنَ'' فعل لازم ہے' ''اُولٰئِکَ'' فاعل ہے اور ''رَفِیْقًا'' تمیز ہے۔

ترجمہ:

وَلَوْ : اور اگر	اَنَّا كَتَبْنَا : ہم لکھتے
عَلَيْهِمْ : ان پر	اَنِ : کہ
اقْتُلُوْٓا : تم لوگ قتل کرو	اَنْفُسَكُمْ : اپنے آپ کو
اَوِ : یا	اخْرُجُوْا : تم لوگ نکلو
مِنْ دِيَارِكُمْ : اپنے گھروں سے	مَّا فَعَلُوْهُ : تو وہ لوگ نہ کرتے اس کو

اِلَّا :مگر	قَلِیْلٌ :تھوڑے سے
مِّنْهُمْ :ان میں سے	وَلَوْ :اور اگر
اَنَّهُمْ :یہ (ہوتا) کہ وہ لوگ	فَعَلُوْا :کرتے
مَا :اس کو	یُوْعَظُوْنَ :نصیحت کی جاتی ہے ان کو
بِهٖ :جس کی	لَكَانَ :تو ہوتا
خَیْرًا :بہتر	لَّهُمْ :ان کے لیے
وَاَشَدَّ :اور (ہوتا) زیادہ سخت	تَثْبِیْتًا :بلحاظ جما دینے کے
وَّاِذًا :اور تب تو	لَّاٰتَیْنٰهُمْ :ہم ضرور دیتے ان کو
مِّنْ لَّدُنَّا :اپنے پاس سے	اَجْرًا عَظِیْمًا :ایک شاندار بدلہ
وَلَهَدَیْنٰهُمْ :اور ہم ضرور ہدایت دیتے ان کو	صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا :ایک سیدھے راستے کی
وَمَنْ :اور جو	یُّطِعِ :اطاعت کرے گا
اللّٰهَ :اللہ کی	وَالرَّسُوْلَ :اور ان رسولؐ کی
فَاُولٰٓئِكَ : تو وہ لوگ	مَعَ الَّذِیْنَ :ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے
اَنْعَمَ :انعام کیا	اللّٰهُ :اللہ نے
عَلَیْهِمْ :جن پر	مِّنَ النَّبِیّٖنَ :نبیوں میں سے
وَالصِّدِّیْقِیْنَ :اور کامل سچوں میں سے	وَالشُّهَدَآءِ :اور شہیدوں میں سے
وَالصّٰلِحِیْنَ :اور نیک لوگوں میں سے	وَحَسُنَ :اور اچھے ہوئے
اُولٰٓئِكَ :وہ لوگ	رَفِیْقًا :بطور رفیق کے
ذٰلِكَ الْفَضْلُ :یہ فضل	مِنَ اللّٰهِ :اللہ (کے پاس) سے ہے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ :اور کافی ہے اللہ	عَلِیْمًا :بطور جاننے والے کے

نوٹ ۱ : پیچھے آیت ۶۰ سے منافقین کے طرزِ عمل کے متعلق سلسلۂ کلام کا آغاز ہوا تھا۔ زیرِ مطالعہ آیت ۶۶ میں انہی کے متعلق ایک امکانی بات کہی گئی ہے کہ ان سے تو شریعت پر ہی عمل نہیں ہوتا' اگر ان سے دین کے لیے کسی بڑی قربانی کا مطالبہ کیا جاتا تو اس کے پورا ہونے کا کیا امکان ہے۔

نوٹ ۲: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ میں شہادت دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور میں پانچ وقت کی نماز کا بھی پابند ہوں' زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے وہ انبیاءؑ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا بشرطیکہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔ (بحوالہ معارف القرآن)

❁❁❁

حکمت کے موتی

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ سَعِیْدِ الطَّائِیِّ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیُّ ﷺ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((ثَلَاثَۃٌ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ ' قَالَ: مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَۃٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَۃً فَصَبَرَ عَلَیْھَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْاَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بَابَ فَقْرٍ ' وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ ' قَالَ: اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ ' عَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَعِلْمًا فَھُوَ یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَیَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَیَعْلَمُ لِلّٰہِ فِیْہِ حَقًّا فَھٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ ' وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ مَالًا فَھُوَ صَادِقُ النِّیَّۃِ ' یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ ' فَھُوَ بِنِیَّتِہٖ فَاَجْرُھُمَا سَوَاءٌ ' وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ عِلْمًا فَھُوَ یَخْبِطُ فِیْ مَالِہٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَلَا یَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَلَا یَعْلَمُ لِلّٰہِ فِیْہِ حَقًّا یَعْمَلُ فَھٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ ' وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَھُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْہِ بِعَمَلِ فُلَانٍ ' فَھُوَ بِنِیَّتِہٖ فَوِزْرُھُمَا سَوَاءٌ)) (رواہ الترمذی)

جناب ابو البختری سعید الطائی سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوکبشہ انماری ﷺ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور (ان کے علاوہ) ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں' پس تم اس کو یاد کرلو! (جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں' ان میں ایک تو یہ ہے کہ) کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔ اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے' مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑھا دے گا اُس کی عزت۔ اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ' مگر اللہ کھول دے گا اس پر فقر کا دروازہ۔ (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:) جو بات میں (ان کے علاوہ) تم سے بیان کرنا چاہتا تھا' جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہیے' وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لیے ہے۔ ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال اور (صحیح طریق زندگی کا) علم بھی دیا ہے' پس وہ اس مال کے صرف واستعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں' اور اس کے ذریعہ صلۂ رحمی کرتے ہیں' اور جانتے ہیں کہ اس میں اللہ کا بھی حق ہے۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ وافضل مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (دوسری قسم کے) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے' لیکن ان کو مال نہیں دیا' پس ان

کی نیت صحیح اور سچی ہے' اور وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں اور یہی ان کی نیت بھی ہے' پس ان دونوں کا اجر برابر ہے۔ اور (تیسری قسم کے) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا' اور اس کے صرف واستعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا' پس وہ نادانی کے ساتھ اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں پر خرچ کرتے ہیں' اس کے ذریعہ صلۂ رحمی نہیں کرتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اس (مال) میں اللہ کا بھی کوئی حق ہے۔ پس یہ لوگ سب سے برے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم کے) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا' پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ شخص کی طرح اور اسی کے طریقے پر) صرف کریں اور یہی ان کی نیت ہے پس ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے۔''

قرآن مجید بنی نوعِ انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے اور احادیث رسولؐ اس سرچشمۂ ہدایت کی روشنی میں زندگی گزارنے کا انداز بتاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآنی تعلیمات کے مطابق اس طرح زندگی گزاری کہ آپؐ مجسّم قرآن قرار پائے۔ آپؐ کا اندازِ زیست اس قدر معیاری تھا کہ خالق کائنات نے آپؐ کی زندگی کو انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ یعنی مثالی کردار قرار دیا۔

اس حدیث کو بیان کرنے والے صحابی حضرت ابو کبشہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی باتیں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین باتیں قسم کھا کر ارشاد فرمائیں۔ آپؐ تو ایسے سچے اور امانت دار تھے کہ کافر بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ آپؐ نے جو بات قسم کھائے بغیر کہی ہے وہ بھی سچی اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے۔ تو یہاں قسم کھا کر بات کرنے کا مقصد ان باتوں کی اہمیت بتانا ہے۔ نیز مخاطبین کو متوجہ کرنا ہے تاکہ وہ اس اہم بات کو ہمہ تن گوش ہو کر سنیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ تینوں باتیں جو آپؐ نے قسم کھا کر کہی ہیں' وہ ظاہر بیں نگاہ اور سرسری مشاہدے کے خلاف دکھائی دیتی ہیں' تو ان کو اس انداز میں بیان کر کے آپؐ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کے باطنی پہلو کی طرف نگاہ کر کے ان سے وابستہ اچھے نتائج یقینی سمجھے جائیں اور ان حقیقتوں پر ایمان لایا جائے۔

ان تین باتوں میں سے پہلی بات آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ کسی بندے کا مال صدقہ اور خیرات کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نعمت مال پر شکر ادا کرنا ہے۔ اور بالفاظِ قرآن ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (النساء) ''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا''۔ یعنی فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے سے مال میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ یہ شیطان کا حربہ ہے کہ وہ انسان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے اور یہ وسوسہ ذہن میں ڈالتا ہے کہ اپنی جمع شدہ رقم میں سے اگر خرچ کرو گے تو جمع پونجی میں کمی آ جائے گی۔ شیطان کے اس وسوسے کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ (البقرۃ) ''شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے''۔ یعنی مال خرچ کر دو گے تو نادار ومحتاج ہو جاؤ گے' مگر اللہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کو مغفرت اور مزید عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے شیطان کا

وعدہ سراسر جھوٹ ہے' جبکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تجربہ بھی یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے نام پر بے دریغ خرچ کرنے والا سخی کبھی افلاس کا شکار نہیں ہوتا' بلکہ جوں جوں وہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے توں توں اُس کے مال میں برکت آتی جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال کنویں کی ہے کہ اس میں سے جتنا بھی پانی نکالو اس کا پانی کم نہیں ہوتا۔ صدقہ بلا اور مصیبت کو ٹالتا ہے۔ سخی جس ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتا ہے وہ خوش ہو کر اسے دعائیں دیتا ہے جو سخی کے حق میں خیر و برکت کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تو ہے دنیا کا معاملہ۔ یہ صدقہ و خیرات آخرت کا توشہ بنتا جاتا ہے اور اجر و ثواب کی صورت میں گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جائے گا۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ کبھی اپنی آمدنی کے کم ہونے کا عذر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آمدنی تھوڑی ہے تو اس میں سے تھوڑی سی رقم صدقہ کر دینی چاہیے۔ اس امید پر صدقہ نہیں روکنا چاہیے کہ جب مال زیادہ ملے گا تو خرچ کریں گے' یہ ایسا فریب ہے کہ انسان کو بخیل بنا کر چھوڑتا ہے۔

دوسری بات جو آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمائی وہ یہ ہے کہ اگر مظلوم بندہ ظلم پر صبر کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ اس کی عزت بڑھائے گا۔ مظلوم کے لیے صبر کرنا ایک مشکل گھاٹی ہے جس کا عبور کرنا آسان نہیں۔ مظلوم تو چاہتا ہے کہ اس کا بس چلے تو ظالم کو دگنا مزا چکھائے' اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کا طالب رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی عزت سے نوازتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر کس قدر ظلم ڈھائے' ان کا مکہ میں رہنا دوبھر کر دیا اور وہ عزیز و اقارب' مال و زر اور زمین اور مکان چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ یہی مکہ کے مسلمان جب کفار کے ظلم پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پہلے سے بہتر دنیوی ساز و سامان' عزت اور غلبہ دیا اور آخرت کا بے پایاں اجر بھی ان کے حق میں محفوظ ہو گیا۔

تیسری بات جو رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمائی وہ یہ ہے کہ جو بندہ سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے' یعنی جو شخص اپنی حاجات کے لیے بندوں کا سوالی بن جائے وہ کبھی سیر نہیں ہوگا بلکہ ناداری' غربت و افلاس اس کا مقدر بن جائے گی۔ مانگنا بہت برا نشہ ہے اور جو ایک بار اس میں گرفتار ہو گیا وہ کبھی اس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ بھیک مانگنے والے بھیک کے ذریعے جتنا بھی کما لیں وہ نادار ہی رہیں گے۔ یہ اس تصویر کا دوسرا رخ ہے کہ جس طرح فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کا مال کم نہیں ہوتا اسی طرح دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے والا کبھی سیر نہیں ہوتا۔ ایک سوال کرنے والے کو آپ ﷺ نے کلہاڑی میں خود اپنے ہاتھ سے لکڑی کا دستہ ڈال کر دیا اور فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بازار میں بیچ کر روزی کماؤ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی غربت دور کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''جب تو کوئی چیز مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تجھے مدد درکار ہو تو اللہ ہی سے امداد اور اعانت طلب کر۔'' (مسند احمد۔ جامع ترمذی)۔ پس معلوم ہوا کہ اپنی ضرورتوں کے لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا تنگدستی کا علاج نہیں' اس طرح تو محتاجی اور بڑھے گی۔ احتیاج کو دور کرنے کے لیے ہاتھوں کی محنت اور اللہ تعالیٰ سے طلب و دعا ہی صحیح طریقہ ہے۔ جس

طرح عبادت اکیلے خدا کی ہے اُسی طرح استعانت بھی صرف اسی سے ہے۔ سچ ہے جو مالک کا در چھوڑ کر دوسروں سے مانگتا ہے ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ان تین باتوں کے بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے جو بات فرمائی اس کے متعلق بھی آپؐ نے تاکید کا انداز اختیار کیا اور فرمایا: اس بات کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا اور ساتھ اس کو خرچ کرنے کا سلیقہ بھی دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اس کی رضا کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کے علاوہ صلہ رحمی بھی کرتے ہیں' مجبوروں اور ضرورت مندوں کی مدد بھی کرتے ہیں' اس طرح وہ مال خرچ کر کے عاقبت کا سامان تیار کرتے ہیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے اعلیٰ و افضل درجے پر ہیں۔ دوسری قسم کے وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم' اچھا جذبہ اور سلیقہ اور سمجھ داری تو عطا کی ہے لیکن ان کو مال نہیں دیا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ خلوصِ دل سے چاہتے ہیں کہ انہیں بھی مال ملے تو وہ فلاں دولت مند سخی کی طرح اللہ کی خوشنودی میں مال خرچ کریں گے' اپنے نادار رشتہ داروں کی مدد کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے' حج کریں گے اور مخلوقِ خدا کے مفاد میں رقم خرچ کریں گے۔ تو ایسے لوگوں کا اجر نیک ارادے اور حسنِ نیت کی وجہ سے ان لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر ہوگا جن کو مال ملا ہے اور وہ اس کو صحیح مصارف پر خرچ کر رہے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا ہے مگر اس کے استعمال کا صحیح علم اور سلیقہ نہیں دیا۔ وہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو عیش و عشرت' نمود و نمائش اور طرب و نشاط میں خرچ کر رہے ہیں۔ وہ مال و دولت سے رضائے الٰہی والے کام کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام کر رہے ہیں۔ انہیں نہ غریب اور نادار رشتہ داروں کا خیال ہے اور نہ ارد گرد بسنے والے ضرورت مندوں کا۔ جب روزِ محشر ان سے دولت کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ ناکام ٹھہریں گے اور ان کا انجام برا ہوگا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے نہ تو مال دیا ہے اور نہ ہی صحیح علم اور نیک جذبہ۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں شخص جو مال و دولت نامعقول کاموں اور لہو و لعب میں خرچ کر رہا ہے کی طرح عیش کریں گے' فضول خرچی کریں گے۔ بس ان کا یہی پختہ ارادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے۔ یعنی اس آخری قسم کے لوگوں کو بھی وہی گناہ ملے گا جو تیسری قسم والوں کو ملا۔ گویا یہ چوتھی قسم کے آدمی مال و دولت سے محروم ہونے اور ناجائز جگہوں پر مال خرچ کیے بغیر ہی گناہگار ہو رہے ہیں۔ اگرچہ برائی کے ارادے پر تو گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک کہ اس برائی کا ارتکاب نہ کر لیا جائے' مگر یہاں ارادے پر بھی گناہ مل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ وسائل کے بغیر ہی برائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل سے جانتا ہے کہ ان لوگوں کو اگر وسائل مہیا ہو جائیں تو یہ اپنا برا ارادہ ضرور پورا کریں گے اور گناہ کے کاموں میں پیسہ اڑائیں گے۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے' لہٰذا ان کا انجام بھی تیسری قسم کے لوگوں جیسا ہی ہوگا۔ oo

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ کی تفسیر سورۃ البقرۃ بعنوان

الخِلافۃُ الکبریٰ

کے مقدّمہ کی تقدیم

ازقلم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خواجہ عبدالحئی فاروقی رحمہ اللہ کا نام میں نے پہلی بار حاجی عبدالواحدؒ کی زبانی سنا تھا' لہٰذا پیش نظر کتابچے کی تقدیم کے ضمن میں اولاً حاجی صاحب موصوف کا تعارف ضروری ہے اور اس کے لیے بجائے اس وقت کچھ لکھنے کے' ذیل میں وہی تحریر جوں کی توں درج کی جا رہی ہے' جو ۱۹۷۸ء میں خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ کی تفسیر سورۃ البقرۃ موسوم بہ ''الخلافۃ الکبریٰ'' کا مقدمہ ''میثاق'' میں شائع کرتے ہوئے سپردِ قلم ہوئی تھی — وھو ھذا:

''حاجی عبدالواحد مدظلہٗ دینی حلقوں کی ایک معروف اور جانی پہچانی شخصیت ہیں اور راقم الحروف انہیں اپنا خیر خواہ اور معاون ہی نہیں سرپرست اور بزرگ سمجھتا ہے۔

دوسری طرف حاجی صاحب کا جو معاملہ راقم کے ساتھ ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۲ء میں راقم کے دو تین درسوں ہی میں شرکت کے بعد حاجی صاحب نے اولاً تو یہ فرمایا: ''کاش کہ میں اُس وقت تک زندہ رہوں اور آپ کے کچھ کام آ سکوں جب مولوی آپ پر جھپٹیں گے!'' اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد ایک دن اچانک راقم کا ہاتھ کھینچ کر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا: ''احیائے دین کی جِدّوجُہد کے لیے میں آپ کے ہاتھ پر سمع وطاعت اور جہاد و ہجرت کی بیعت کرتا ہوں!'' جس پر راقم سراسیمہ سا ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس دن سے آج تک حاجی صاحب اپنے اس عہد کو کمالِ وفاداری کے ساتھ نبھا رہے ہیں' جس سے کم از کم ان کے معاملے میں راقم کو شدید شرمندگی کا احساس ہوتا ہے!

۱۹۳۲ء میں انگریزی ادب میں ایم اے کرنے والے اور محکمہ تعلیم میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز اس باہمت شخص نے عین جوانی میں' جبکہ دُنیوی ترقی کا ایک وسیع و عریض میدان ان کے سامنے تھا' اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف احیائے اسلام کی جدّوجُہد کے لیے وقف کر دینے کے عزمِ مصمّم کے ساتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ

کر مجاہدانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ بالکل نوجوانی میں خلافت اور ہجرت کی تحریکوں میں حصہ لینے کے بعد سے برعظیم پاک و ہند میں اٹھنے والی ہر احیائی تحریک کا انہوں نے قریب سے مطالعہ کیا اور بعض کے ساتھ طویل عرصے تک سرگرمی کے ساتھ کام بھی کیا۔ چنانچہ وہ ایک طرف مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ساتھ مسلسل ایک برس مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے تو دوسری طرف شیخ طریقت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضری کی خاطر ایک خاصا طویل عرصہ خانقاہ رائے پور میں مقیم رہے۔ اسی طرح ایک جانب مولانا مودودی کے ساتھ ان کا ذہنی سفر ''ترجمان القرآن'' کی ادارت کے آغاز سے تشکیل جماعت اسلامی تک جاری رہا (جس میں وہ بوجوہ شامل نہ ہوئے) تو دوسری جانب وہ مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور ایک طویل عرصے تک نہایت سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ تبلیغی جماعت میں کام کرتے رہے۔ اسی طرح ادھر لاہور میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے انہیں انتہائی قرب حاصل رہا تو ادھر مولانا محمد منظور نعمانی مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ سے بھی ان کے دوستانہ مراسم قائم رہے —— اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ تو شاگردی اور استادی کا دوطرفہ تعلق رہا۔ یعنی یہ کہ جب وہ ایک سال کے لیے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہے تو انہوں نے مولانا علی میاں سے عربی سیکھی اور مولانا علی میاں نے ان سے انگریزی پڑھی' اور تاحال مولانا علی میاں کو جو تعلق خاطر ان سے ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حال ہی میں جب پاکستان تشریف آوری کا موقع ہوا تو انہوں نے حاجی صاحب کو خط میں بھی یہ لکھا کہ ''میں پاکستان صرف آپ سے ملاقات کے لیے آنا چاہتا ہوں!'' اور پھر اپنی بے انتہا مصروفیات کے علی الرغم انہوں نے واقعتاً حاجی صاحب کے مکان پر حاضری دی —— بلکہ چونکہ اپنی شدید مصروفیات کے باعث اس ''حاضری'' میں قدرے تاخیر ہو گئی تھی' لہٰذا اس پر وہاں ایک سعادت مند خورد کی حیثیت سے حاجی صاحب کی ''بزرگانہ ڈانٹ'' بھی پورے صبر و سکون کے ساتھ سنی۔

یہ ساری تفصیل تمہید ہے اس بات کی کہ حاجی صاحب راقم کے ساتھ گفتگو میں اکثر خواجہ عبدالحیؒ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور اس کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے کہ ان کی زندگی کے رخ کو موڑنے والے اصل میں وہ دروسِ قرآن تھے جو خواجہ صاحب اسلامیہ کالج لاہور کے قریب برانڈرتھ روڈ کے کسی چوبارے میں دیا کرتے تھے اور جن میں حاجی صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی میں شرکت کی تھی —— ایک دو بار حاجی صاحب کی زبان سے یہ الفاظ بھی نکلے کہ ''خواجہ صاحب اس وقت کے ڈاکٹر اسرار احمد تھے اور ڈاکٹر اسرار آج کے خواجہ عبدالحیٔ فاروقی ہیں!'' راقم خواجہ صاحب سے بالکل واقف نہ تھا' لیکن حاجی صاحب کے اس ذکر سے ان کی ذات سے ایک ذہنی تعلق اور قلبی انس قائم ہو گیا۔

اسی دوران میں ایک روز اچانک ملک ظفر اللہ خان صاحب (خلف الرشید ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم جو اولاً مولانا ابوالکلام آزاد کی ''حزب اللہ'' اور پھر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی میں فعّال طور پر شریک رہے تھے) ایک بوسیدہ سی کتاب لیے ہوئے آئے اور انہوں نے فرمایا: ''ابا جان کے سامان میں سے بہت سی بوسیدہ و کرم خوردہ کتابوں کے ڈھیر میں سے یہ کتاب بھی ملی ہے' شاید آپ کو اس سے دلچسپی ہو!'' اب جو راقم نے دیکھا تو وہ ''الخلافۃ الکبریٰ'' تھی ''یعنی سورۃ البقرۃ کی انقلابی رنگ میں تحریر شدہ تفسیر از قلم خواجہ

عبدالحیٔ فاروقی'' اور اس کا صرف ''مقدمہ'' ہی پوری طرح ثابت و سالم تھا۔ بہر حال اس کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ حاجی صاحب کا فرمانا بالکل ٹھیک ہے اور یہ خالص وہی فکر ہے جسے خود راقم اپنی حقیر صلاحیت اور محدود استعداد کے مطابق پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے! چنانچہ راقم نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ کم از کم اس کے مقدمے کو ضرور شائع کیا جائے گا—— اور آج بحمد اللہ راقم کی وہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔

اس تبرکِ علمی و دینی کے تعارف کا ایک دوسرا رخ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس کا تعلق علم و تفسیر قرآن کے اس ''انقلابی'' مزاج کے حامل سلسلے سے ہے جو اس صدی کے اوائل میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ کی ذاتِ بابرکات سے شروع ہوا تھا' جس کے خلیفۂ اول کی حیثیت حاصل تھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو جو اواخر عمر میں کچھ زیادہ ہی 'انقلابی' ہو گئے تھے اور خلیفۂ ثانی کا درجہ حاصل تھا مولانا احمد علی لاہوری ؒ کو جو عمر کے آخری دور میں اغلباً اعوان و انصار کی کمی اور حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر انقلابیت سے کسی قدر رجعت فرما کر روحانیت اور بیعت ارشاد ہی میں منہمک ہو گئے تھے اور تیسری اہم شخصیت تھی خواجہ عبدالحیٔ فاروقی ؒ کی جو اغلباً از اول تا آخر معتدل مزاج کے حامل رہے اور ان کے انقلابی فکر قرآنی نے نہ تو کوئی بڑی زقند لگائی اور نہ کسی درجے میں رجعت ہی اختیار کی!

راقم نے آج سے ٹھیک دو سال قبل ''میثاق'' بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں ایک طویل مضمون میں تفسیر قرآن کی ان مختلف شاخوں کا جائزہ لیا تھا جو برعظیم پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں پھلی پھولیں۔ (یہ تحریر اب راقم کی تالیف ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'' میں شامل ہے!) ان میں قادیانی و لاہوری سلسلے سے قطع نظر جو ''ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا'' کا مصداقِ کامل بن گیا' ایک انتہا پر تو متجددین کا سلسلہ تھا جس کے بانی مبانی تھے سرسید مرحوم' اور ان کے اہم خلفاء میں شامل ہیں علامہ عنایت اللہ خان مشرقی اور چوہدری غلام احمد پرویز' اور دوسری انتہا پر تھے ''الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' جن کے سید الطائفہ تھے حضرت شیخ الہندؒ۔ اور ان کے مابین تھیں تین درمیانی رنگ کی حامل شاخیں جو—— مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ اقبال سے شروع ہوئیں اور جن کے خلفاء عظام ہیں علی الترتیب مولانا مودودی' مولانا اصلاحی اور ڈاکٹر رفیع الدین۔ علماءِ راسخین کے حلقے کی دوسری اہم شخصیت ہیں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ جن کے بارے میں راقم لکھ چکا ہے کہ ان کی تفسیر بیان القرآن سے تین تفسیریں مزید نکلی ہیں' ایک مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کی' دوسری مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی اور تیسری مفتی محمد شفیعؒ کی۔ البتہ خاص حضرت شیخ الہندؒ کی ذاتِ بابرکات سے تفسیر قرآن کے جو دو چشمے پھوٹے ان میں سے متذکرہ بالا تحریر میں صرف ایک کا ذکر ہوا تھا یعنی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حد درجہ سلیس لیکن انتہائی عمیق حواشی کا۔ لیکن دوسرے اہم سلسلے کا ذکر رہ گیا تھا جس کے اہم افراد ہیں مولانا عبیداللہ سندھی' مولانا احمد علی لاہوری اور خواجہ عبدالحیٔ فاروقی ؒ۔

راقم ایک دوسرے موقع پر ''میثاق'' ہی میں اپنی اس رائے کا اظہار بھی کر چکا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے اصل مجدد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہیں۔ (یہ تحریر اب راقم کی تالیف: ''جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی'' میں شامل ہے)۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو جامعیتِ کبریٰ ان کی ذات میں نظر آتی ہے وہ اس صدی کے

اعاظم رجال میں سے اور کسی میں نظر نہیں آتی۔ تعلیمی و تصنیفی کام بھی اپنی جگہ حد درجہ اہمیت کا حامل ہے اور تزکیۂ نفوس اور مجاہدہ مع النفس کی عظمت سے بھی ہرگز انکار ممکن نہیں' لیکن صدی کے مجدّد کا جامہ اسی پر راست آتا ہے جو ان دونوں میدانوں میں بھی مسلّمہ حیثیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدہ مع الکفار کے میدان میں بھی سرگرم نظر آئے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلے اور دار و رسن کو بھی رونق بخشے۔ اور اس صدی میں ان تینوں پہلوؤں کو اپنی ذات میں بتمام و کمال جمع کرنے والی شخصیت صرف حضرت شیخ الہندؒ کی ہے۔ چنانچہ ان کی ذات سے فکر قرآنی کی ایک انقلابی مزاج کی حامل شاخ بھی پھوٹی جس کے گُلِ سرسبد ہیں یہ تینوں حضرات جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

الغرض ـــــ علم و تفسیرِ قرآن اور دعوت رجوع الی القرآن یا تحریک تعلیم و تعلّمِ قرآن کے اس جائزے یا تجزیے میں جو راقم الحروف نے دسمبر ۱۹۷۶ء کے ''میثاق'' میں سپردِ قلم کیا تھا ایک کمی رہ گئی تھی جس کی تلافی ان سطور کی تحریر اور ''الخلافۃ الکبریٰ'' کے مقدمے کی اشاعت سے مطلوب ہے!

(میثاق لاہور بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۸ء)

❁❁❁

مقدّمة

الخِلافةُ الکُبریٰ

تالیف: خواجہ عبدالحی فاروقی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تفاسیر پر ایک نظر

وسعتِ بیان

تفاسیر کا جس قدر ذخیرہ' اس وقت ہمارے پیش نظر ہے' اس کے دیکھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فرزندانِ اسلام نے اپنے تہذیب و شائستگی' اور تمدن و حضارۃ کے مبارک عہد میں' قرآن حکیم کے حقائق و معارف' اور بصائر و حکم پر زور دینے اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لیے کس قدر انتہائی سعی و کوشش سے کام لیا ہوگا' اور اس کی تعلیماتِ صالحہ کی نشر و اشاعت میں کس درجہ ایثار و فدویت کا اظہار کیا ہوگا۔ ان جلیل القدر بزرگوں نے اس کتاب عزیز کے حقیقی مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت میں سرفروشانہ اقدام کیا' اور دنیا

کی مختلف زبانوں میں بے شمار تالیفات لکھیں۔ اگر اس وقت ہم تمام زبانوں کی تفسیروں کو نظر انداز کر کے صرف عربی ہی کو لے لیں تو یقین کیجیے کئی ہزار تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہم اربابِ بصیرت کی ضیافتِ طبع کے لیے صرف چند تفاسیر کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان کی وسعت بیان کا اندازہ ہو' ملاحظہ کیجیے:

تفسیر ابن الجوزی' ۲۷ جلدوں میں ہے۔

تفسیر الاصبھانی' ۳۰ جلدوں میں ہے۔ اس کے مؤلف ابو مسلم اصفہانی ہیں' جن کی تفسیر کے اقتباسات جابجا تفسیر کبیر میں درج ہیں۔ امام فخر الدین رازی اکثر مقامات پر ان کی ثنا خوانی کرتے ہیں۔

کتاب الجامع فی التفسیر' ۳۰ جلدوں میں ہے۔

تفسیر ابن النقیب' کچھ اوپر پچاس جلدوں میں ہے۔

کتاب التحریر والتبحیر' اس کی پچاس سے زائد جلدیں ہیں۔

تفسیر الادفوی' علامہ ادفوی قومی' روم کے شہرۂ آفاق عالم تھے' اس تفسیر کے وہی مؤلف ہیں' اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں۔

تفسیر القزوینی' تین سو جلدوں میں ہے۔

تفسیر حدائق ذات بھجہ' پانچ سو جلدوں میں ہے۔

اس وسعت بیان کو دیکھیے' کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ یہ تفسیریں کسی زمانہ میں قرآن حکیم کی انسائیکلوپیڈیا (موسوعات) نہ رہی ہوں گی۔ اقوام وامم عالم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے' کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اس کثرت کے ساتھ اپنی کسی کتاب کی خدمت کی ہو؟ یہ شرف ومزیت اور خصوصیت کبریٰ صرف قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کثرت سے اس کی شرح وتفسیر کی گئی' اس کے احکام وضوابط کی تدوین و ترتیب میں عمریں صرف کی گئیں' کشف سرائر ومحجوبات کے لیے تالیفات لکھی گئیں' لیکن پھر بھی ارباب فہم و بصیرت اور حقیقت شناس حلقوں سے یہی صدائے عشق ووارفتگی بلند ہو رہی ہو کہ **القرآن لا تفنی عجائبہ ولا تنقضی غرائبہ۔**

اوائل عہد

عبدالملک بن مروان ۶۵ ہجری میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے اوّلین کام یہ کیا کہ اپنی تمام تر توجہ علوم وفنون کی تدوین کی جانب پھیر دی۔ اطراف واکنافِ خلافت میں اعلان کر دیا کہ ہر ایک فن پر کتابیں تالیف ہوں۔ علمائے عظام کو دعوت دی اور ان کو تصنیف کی طرف متوجہ کیا۔ سعید بن جبیرؒ سے درخواست کی کہ قرآن کی شرح وتفسیر میں کچھ تحریر کریں۔ وہ اپنے زمانہ کے امام اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر لکھ کر بھیجی' جس کو شاہی کتب خانہ میں جگہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اور زیادہ اس دائرہ کو وسعت دی اور تمام بلاد وامصارِ اسلامی میں احکام نافذ کر دیے کہ سنن واحادیث پر تالیفات تیار ہوں۔

دورِ اوّل میں تفسیر کا طریق نہایت ہی دلآویز اور معنی خیز تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ قرآن میں اخلاق بھی ہے اور فلسفۂ اخلاق بھی' تمدن وحضارۃ کے احکام بھی ہیں اور تہذیب وشائستگی کے اصول وضوابط بھی' تدبیرِ منزل و

سیاستِ مُدن کے آئین وقوانین بھی ہیں اور جہانگیری و جہانداری کے قواعد تنظیم وتشکیل بھی' لیکن اندازِ بیان' طریق تعبیر اور اسلوبِ تحریر کچھ اس درجہ جاذبِ قلوب وانظار واقع ہوا ہے کہ ان علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو' جس وقت یہ اعجازی کلمات اس کے کانوں تک پہنچیں گے' اس کی فطرتِ صالحہ اور قلبِ سلیم کا یہی اقتضار ہے گا کہ ہر وقت ان سے حلاوت اندوز رہے اور اس کے دل ودماغ پر حاوی ہوں۔

ابتدائی زمانہ کی تفسیروں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ان میں نہ منطقی دلائل ہیں' نہ فلسفیانہ موشگافیاں' نہ ان کو ریاضیات وطبیعیات سے کوئی سروکار ہے' اور نہ ہیئت ونجوم کے زور سے استدلال وحجت کو قوی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' صاف صاف اور کھلی کھلی باتیں ہیں' کسی قسم کا خفا اور حجاب نہیں' البتہ اگر ان میں کوئی حقیقت نمایاں اور ممتاز پہلو لیے ہوئے ہے تو وہ عمل کی دعوت ہے اور بس۔شقیق بن سلمہ اور ابووائل بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا تھا۔انہوں نے خطبۂ حج اس انداز سے بیان کیا اور سورۃ النور کی تفسیر اس دلفریب طریق پر کی کہ کفارِ ترک وروم بھی اگر اسے سن لیتے تو یقیناً دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے اور ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہتا۔ایسے ہی ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ کی ایسی معنی خیز' مؤثر اور دلآویز تفسیر بیان کی کہ ایک شخص تو بے اختیار پکار اٹھا: **لو سمع ھذا الدیلم لاسلمت** اگر کفارِ دیلم اس کو سن پاتے تو ضرور حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔

یہ جو کچھ اوپر لکھا گیا' محض افسانہ ہی افسانہ نہیں' بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے' اور تاریخ کے صفحات اس قسم کے بے شمار امثلہ ونظائر سے پر ہیں۔غیر مسلم قوموں کو جب کبھی قرآن کی تعلیمات کے سننے اور ان میں درس وفکر کرنے کا موقع ملا تو پھر ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہا۔

عہدِ نبوت سے جب تک قُرب واتّصال رہا' تفسیر کا یہی انداز تھا۔خلفائے اربعہ' عبداللہ بن مسعود' ابن عباس' اُبی بن کعب' زید بن ثابت' ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی دورِ اوّل میں نہایت ہی جلی قلم سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں' اور باوجود امتدادِ عہد اور استیلائے جہل' ان کی تابناکی اور درخشندگی میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔

مکہ مبارکہ میں ابن عباسؓ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت ہی طویل ہے' لیکن مجاہد' عطاء بن ابی رباح' عکرمہ مولیٰ ابن عباس' سعید بن جبیر اور طاؤس رحمہم اللہ' ان کے ارشد تلامذہ میں شامل اور اس لیے خصوصیت سے مشہور ہیں۔تفسیروں میں ابن عباسؓ کے جس قدر اقوال ملتے ہیں' وہ سب انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچتے ہیں۔مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو تیس بار قرآن سنایا ہے۔کوفہ کی سرزمین' عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی وجہ سے علوم ومعارفِ قرآن کا نشیمن بنی ہوئی تھی۔اسی طبقہ میں حسن بصری' عطاء بن ابی سلمہ خراسانی' محمد بن کعب قرظی' ابوالعالیہ' ضحاک بن مزاحم' عطیہ' قتادہ' زید بن اسلم' مرہ ہمدانی' ابو مالک اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ہیں۔

تیسرے دور میں سفیان بن عیینہ' وکیع بن الجراح' شعبہ بن حجاج' یزید بن ہارون' عبدالرزاق' آدم بن ابی ایاس' اسحٰق بن راہویہ' روح بن عبادہ' عبد بن حمید اور ابوبکر بن شیبہ رحمہم اللہ ہیں۔

زاویہ نگاہ

قرآن حکیم کے نزول کی غرض وغایت یہ تھی کہ جو لوگ اس کی تعلیم پر عمل کریں، ان میں اعلیٰ ترین اخلاق پیدا ہوں، انہیں تمکین فی الارض حاصل ہو اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے نا آشنا نہ تھے۔ ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے شاہِ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی۔ ابوسفیان ان دنوں روم ہی میں تھے، اس نے ابوسفیان سے اسلامی تعلیمات، رسول اللہ ﷺ اور فرزندان اسلام کے متعلق مختلف سوال کیے اور آخر میں کہا:

ان یك ما تقول حقا فانه نبی ولیبلغن ملکه ما تحت قدمی

''اگر یہ سچ ہے جو تم کہتے ہو، تو وہ نبی ہے، اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں کے نیچے کی سرزمین تک پہنچے گی۔''

اسی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کی اولاد شہید کرتی ہے، تو وہ حسب ذیل اشعار پڑھتے ہیں:

لقد جمع الاحزاب حولی والبؤا قبائلهم واستجمعوا کل مجمع

''انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد اکھڑے ہیں، اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے۔''

وکلهم مبدی العداوة جاهد علی لانی فی وثاق بمضیع

''یہ سب کے سب میرے دشمن اور عداوت کا اظہار کرنے والے ہیں، اور میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔''

وقد جمعوا ابناء هم ونساء هم وقربت من جزع طویل ممنع

''قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا رکھا ہے اور مجھے ایک مضبوط، بلند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔''

وقد خیرونی الکفر والموت دونه وقد هملت عینای من غیر مجزع

''انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی مل سکتی ہے، مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں، مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔''

فلست بمبد للعدو وتخشعًا ولا جزعا انی الی اللّٰه مرجعی

''میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا، اور نہ روؤں اور نہ چلاؤں گا، میں جانتا ہوں کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔''

ومالی حذار الموت انی لمیت ولکن حذاری حجم نار ملفع

''موت سے مجھے اس لیے ڈر نہیں کہ میں مر جاؤں گا، لیکن میں تو لپٹ جانے والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں۔''

فذو العرش صبرنی علی ما یرادبی فقد یصنعو الحمی وقد یاس مطمعی

''اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے' اب انہوں نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ دیا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔''

فو اللّٰہ ما ارجوا ذامت مُسلمًا علی ای جنب کان فی اللّٰہ مصرعی

''اللہ کی قسم جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں' تو میں یہ پروانہیں کرتا کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں۔''

وذلك فی ذات الاله وان یشاء یبارك علی اوصال شلو ممزعی

''خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے تو پوری امید ہے کہ وہ پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے۔''

سب سے آخر میں انہوں نے فرمایا:

اللھم بلغنا رسالة رسولك فبلغه ما یصنع بنا

''اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیے' اب تو اپنے رسول کو ہمارے حال اور ان کی کرتوتوں کی خبر دے دے۔''

یہ نتائج وثمرات تھے قرآن حکیم کی تعلیم وتربیت کے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت خوب جانتی تھی کہ قرآن کا نزول صرف اس لیے ہوا ہے کہ:

(ا) اس کو نہایت ہی غور وخوض سے پڑھیں' اور اس کی آیات میں درس وفکر کریں۔

(ب) جس قدر پڑھیں اس پر عمل پیرا ہوں۔

(ج) قرآن حکیم پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔

خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ:

وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ فَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ اَطْوَلَ مِنْ اَطْوَلَ مِنْهَا(۱) وَقَامَ بِآيَةٍ يُرَدِّدُهَا حَتَّى الصَّبَاحَ(۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے' یہاں تک کہ ایک معمولی سورۃ' بڑی سے بڑی سورۃ ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے تھے اور اسی کو بار بار صبح تک پڑھتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی رائے ہے کہ:

ان الترتیل والتدبر مع قلة القراءة' افضل من سرعة القراءة مع کثرتها' بان المقصود من القراءة فهمه وتدبره والفقه فیه والعمل به وتلاوته وحفظه وسیلة الی معانیه' کما قال بعض السلف نزل القرآن لیعمل به' فاتخذوا تلاوته عملاً ولهذا کان اهل القرآن هم العالمون والعاملون بما فیه وان لم یحفظوه عن ظهر قلب' واما من حفظه ولم یفهمه ولم یعمل به فلیس من اهله' وان اقام حروفه

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرها' باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا.....

(۲) مفتاح دار السعادة لابن القیم ۱/۵۵٤۔

اقامة السهم واما مجردة التلاوة من غير فهم ولا تدبر فيفعلها البرد والفاجر' والمؤمن' والمنافق' كما قال النبی ﷺ: ((مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الرَّیْحَانَةِ رِیْحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ))(۱) وقال شعبة حدثنا ابوحمزة قال قلت لابن عباس' انی رجل سریع القراءة' وربما قراءت القرآن فی لیلة مرة او مرتین فقال ابن عباس لان اقرا سورة واحدة اعجب الی من ان افعل ذلك الذی تفعل' فان کنت فاعلا لابد فاقرآ قراءة تسمع اذنیك ویعیه قلبك' قال ابن مسعود قفوا عند عجائبه وحرّکوا به القلوب ولا یکن هم احدکم آخر السورة وقال عبد الرحمٰن بن ابی لیلی دخلت علی امرأة وانا اقرأ سورة هود فقالت یا عبد الرحمٰن! هکذا تقرأ سورة هود واللّٰه انی فیها منذ ستة اشهر وما فرغت من قراءتها۔

''آہستہ پڑھنا اور غور کرنا' جس میں قرآن اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے' یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے' کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے' تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا' معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ چنانچہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے' مگر لوگوں نے اس کی تلاوت کو ایک مستقل عمل بنا لیا' اسی لیے گزشتہ طبقات میں اہلِ قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن کے عالم اور عامل تھے' اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ بھی ہوتا تھا' لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے' نہ ان پر عمل کیا' تو وہ اہل قرآن سے نہیں ہے' اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا' اور وہ تلاوت تو ہر نیک و بد' مؤمن و منافق کر سکتا ہے جو فہم و تدبّر سے خالی ہو۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال ریحان کی ہے جس کی بو عمدہ اور مزا کڑوا ہے''۔ شعبہ نے کہا: ابوحمزہ نے ابن عباسؓ سے عرض کیا: میں تیز پڑھنے والا ہوں' بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک دو مرتبہ قرآن ختم کر دیتا ہوں۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ مجھے ایسے قرآن پڑھنے سے ایک سورت پڑھنا بہتر معلوم ہوتی ہے' بہرحال اگر تم تیزی ہی سے پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے یاد کر لے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے: قرآن کے عجائب پر ٹھہرو' اور ان سے دلوں کو حرکت دو' اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ آخر سورۃ تک پہنچو۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا اور میں سورۂ ھود پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا: اے عبدالرحمٰن! تم اس طرح سورۂ ھود پڑھتے ہو! اللہ کی قسم' میں چھ مہینے سے اس سورۃ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن' وقال ابوعبد الرحمٰن اسلمی حدثنا الذين كانوا يقرءوننا انهم كانوا

(۱) صحيح البخاری' كتاب فضائل القرآن' باب اثم من راءى بقراءة القرآن..... وصحيح مسلم' كتاب صلاة المسافرين وقصرها' باب فضيلة حافظ القرآن۔

يستقرءون من النبیﷺ، وكانوا اذا تعلموا عشر آيات لم يخلفوها حتى يعلموا بما فيها من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جميعًا

''جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے نہ بڑھتا' جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا۔ ابوعبدالرحمٰن اسلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہم کو پڑھاتے تھے' اور وہ رسول ﷺ سے پڑھا کرتے تھے' جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تو ان سے تجاوز نہ کرتے' جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے' لہٰذا ہم نے قرآن اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے۔''

اس پاک گروہ کی نظر صرف اسی پر نہ تھی بلکہ وہ اس امر پر بھی غور وفکر کرتے کہ تعلیم قرآن سے قبل ہماری کیا حالت تھی' اور اب اس سے کس قسم کے انقلابات وتغیرات رونما ہوئے ہیں' اس لیے ان لوگوں نے اس حقیقتِ کبریٰ پر مہر لگا دی کہ:

لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها

''اس اُمت کے آخری حصہ کی اصلاح فقط اسی چیز سے ہوگی' جس سے اس کے اوّل کی اصلاح ہوئی۔''

جدید راہ

اب ایک نیا دور شروع ہوا' ایک ایک آیت کے لیے متعدد مطالب اور مختلف روایات ذکر کی جانے لگیں' جن میں سے بعض تو یقیناً قابلِ قبول اور لائق استناد تھیں' مگر بیشتر غلط اور موضوع' ردوقبول کے محک پر ان کے پرکھنے کی ضرورت تھی' تاکہ کھوٹے اور کھرے میں' فث اور سمین میں فرق وامتیاز ہو جائے اور حق و باطل میں التباس واشتباہ باقی نہ رہے۔ ان بزرگوں نے مختلف اقوال کو صرف اس لیے جمع کر دیا تھا کہ آیات کے مفہوم میں جس قدر ممکن سے ممکن اقوال منقول ہوں' یا ہو سکتے ہوں اور جس قدر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہو سکتا ہو' ناظرین کے روبرو بغیر حک واضافہ کے تمام وکمال پیش کر دیا جائے اور ہر ایک سخن شناس طبیعت کے لیے اس امر کا موقع حاصل رہے کہ وجدانِ سلیم' ذوقِ صحیح اور اصول وتفسیر کی امانت سے ان اقوال کو جرح وتعدیل کے میزان میں تولے اور نقد واختیار کے بعد جس کو چاہے ترجیح دے اور جسے چاہے مرجوح قرار دے۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علامہ ابوجعفر بن جریر طبری نے اپنی مشہور تفسیر لکھی جس کی نسبت علامہ ابوحامد اسفرائنی کی رائے یہ ہے کہ:

لو سافر رجل الى الصين حتى يحصل له كتاب تفسير محمد بن جرير لم يكن ذلك كثيرا

''تفسیر ابن جریر کی تلاش میں اگر ایک شخص چین تک کا سفر کرے تو یہ کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔''

ابن جریر کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے' وہ ہر ایک بات میں روایت کے پابند ہیں' ان کا خاص مذاق یہی ہے کہ حدیث کے نام سے خواہ کیسی ہی لغو اور مہمل بات کہی جائے' سب پر ایمان لانے کو تیار ہو جاتے ہیں' اور نہیں دیکھتے کہ حقیقتِ اصلیہ کیا تھی' اور عقلِ سلیم کہاں تک اس کو قبول کرنے کو تیار ہوگی۔ ایک ایک آیت کے متعلق مختلف اقوال وروایات پیش کرتے ہیں' اور بعض اوقات ترجیح بھی دے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری ہیں' ان کی وفات ۴۱۲ ہجری میں ہوئی۔

انہوں نے ''تفسیر حقائق''، لکھی اور ربط و یا بس روایات و مطالب کا ایک انبار جمع کر دیا۔ یہی حال ابو اسحٰق احمد ثعلبی کا ہے۔ ابو محمد عبداللہ جوینی' ابوالقاسم عبدالکریم قشیری' اور ابوالحسن بن احمد اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ اس صدی کی تفسیروں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں روایات تو بیان کی جاتی ہیں مگر ان کے اسناد کو حذف کر دیا جاتا ہے' چنانچہ کشف الظنون میں ہے:

ثم الف فی التفسیر طائفة من المتاخرین ' فاختصر وا الاسانید ونقلوا عن الاقوال تبراء' فدخل من هنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل' ثم صار کل من سخ له قول یورده ومن خطر بباله شیء یعتمده ثم ینقل ذلك خلف عن السلف ظاناً ان له اصلاً غیر ملتفت الی تحریر ماورد عن السلف الصالح

''اس کے بعد متاخرین میں سے ایک جماعت نے تفسیریں تالیف کیں' اور اسنادوں کو مختصر کر دیا۔ بہت سے اقوال نقل کیے' یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگ گئیں اور صحیح وضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے۔ اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد ہر پچھلا طبقہ' اپنے متقدمین سے نقل کرنے لگا' اس خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہوگی' انہوں نے اس کی تحقیق نہ کی کہ سلف صالح سے اس میں کیا منقول ہے۔''

ان غلط اور بے بنیاد روایات کا اندازہ علامہ سیوطی کے صرف اس ایک قول سے ہو سکتا ہے کہ:

رأیت فی تفسیر قوله تعالی غیر المغضوب علیهم ولا الضالین نحو عشرة اقوال مع ان الوارد عن النبی ﷺ وجمیع الصحابة والتابعین لیس غیر الیهود والنصاری

''میں نے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف اقوال دیکھے ہیں' حالانکہ رسول اللہ ﷺ' جمہور صحابہ اور جملہ تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی دوسرا قول بھی روایت نہیں کیا گیا۔''

مابعد کی تفسیریں

جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور عہد نبوت سے بُعد و ہجر ہوتا گیا' تفسیر کی صورت بھی نمایاں تبدیلیاں اختیار کرتی گئی اور انجام کار ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ جن مطالب اور روایات کے حق میں محکمہ تحقیق کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ قابلِ قبول نہیں ہیں وہی زیادہ مشہور ہو گئیں' اور عام طبائع نے ان کو شرف اجابت بخشا۔ ہر بات میں پیچیدگی' مشکل پسندی اور عجائب پرستی کا طومار بھر گیا۔ حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں دکھائی دینے لگیں۔ معانی و بیان کے حقائق بیان کیے جانے لگے اور ہیئت و نجوم کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر ہونے لگی' مگر جس قدر ان چیزوں میں زیادتی ہوتی گئی اتنی ہی قرآن سے دوری ہوتی گئی اور منشائے قرآن کی خصوصیت میں فرق آتا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ مفسرین کرام کی زندگی کا مقصد وحید اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اس کتاب عزیز کے اَسرار و معارف کی نشر و اشاعت ہو' اور اس کے مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت ہو' لیکن جب ان تفسیروں میں بحث و نظر کی جاتی ہے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝﴾ (الغاشیة)۔ تفسیر کبیر ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجیے' اس میں بطلیموسی ہیئت و نجوم اور فلسفۂ یونان کے سوا کیا دھرا ہے' مخالفین کے شبہات

بیان کریں گے اور اپنا تمام زور استدلال ان کی تقویت میں صرف کر دیں گے‘ لیکن جواب کے وقت اس درجہ ضعف و کمزوری کا اظہار کریں گے کہ پڑھنے والے کے دل میں وہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جائے گا۔ بعض ارباب نظر و بصیرت کو خود امام فخر الدین رازی کے اسلام ہی میں تردّد ہے‘ مگر یہ خیال تو درست نہیں‘ البتہ اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اس میں دنیا جہاں کی باتیں ہیں مگر تفسیر نہیں‘ جو اس کا اصلی موضوع و مقصد تھا‘ چنانچہ آگے چل کر آپ کو بعض اکابر کی رائے ان کی تفسیر کے متعلق معلوم ہو گی۔ پس اگر بعض نکتہ سنج طبائع کا یہ مطالبہ ہو کہ اس زمانہ میں تفسیر کبیر کا پڑھنا بے سود ہے تو شاید کچھ لوگ ان کی تائید کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔

قرآن کا نزول تو اس لیے ہوا تھا کہ اس کے درس و فکر سے حیات انفرادی و اجتماعی میں انضمام و توحید پیدا ہو‘ ہر مسلم قانت کی تشنہ لبی دور ہو‘ اور ہر ایک فرزند اسلام اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے‘ مگر ان تفاسیر سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ لوگوں نے ان تفاسیر کا درس و مطالعہ شروع کیا‘ حالانکہ ضرورت تھی قرآن حکیم کی تلاوت کی‘ پس وہ چشمہ حیات سے بہت دور جا پڑے اور اب تو بعض کے نزدیک خود قرآن کا درس ممنوع و ناجائز ہے‘ ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ہٰذَا وَ کُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا﴿۲۳﴾﴾ (مریم)۔ پنجاب کے ایک جلیل القدر سجادہ نشین کی رائے ہے کہ **الحمد** کے صرف الف کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لیے ۳۶۰ علوم کی ضرورت ہے۔ **ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ** ع ”مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن!“

دنیا میں ہمیشہ تغیرات و انقلابات رونما ہوتے رہتے ہیں‘ تمام اقوام و امم عالَم بھی ادوارِ مختلفہ سے گزرتی رہتی ہیں۔ فن تفسیر بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ ہر زمانہ میں اس کا رنگ بدلتا گیا اور اب تو اس میں ایسی ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ابتدا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدثین نے قرآن حکیم کی آیات کے مناسب تمام ان احادیث‘ مرویاتِ صحابہ‘ اور اقوالِ تابعین کو ایک جگہ جمع کر دیا‘ جن سے اخذ مطالب اور فہم قرآنی میں سہولت و آسانی ہو اور وہ تمام بصائر و حکم سامنے آ جائیں جو براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوں۔ ان کے بعد معتزلہ کا گروہ سامنے آتا ہے جنہوں نے فلسفۂ یونان سے مرعوب و ہیبت زدہ ہو کر تمام آیاتِ صفات کی تاویل شروع کر دی‘ اور متبادر معانی و مطالب کو ترک کر کے بعید از فہم حقائق کی جانب متوجہ ہو گئے۔ نکتہ آفرینیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا دروازہ کھول دیا‘ اور اس طرح ہمیشہ کے لیے الحاد و زندقہ‘ فتنہ و فساد‘ اور توجیہہ و تاویل کا باب مفتوح کر دیا۔ فلسفہ کی نشر و اشاعت نے عقائد و اخلاق میں اور زیادہ تزلزل پیدا کر دیا۔ متکلمین آگے بڑھے اور ہر شبہ کا جواب دینے لگے۔ اس لیے قرآن کی شرح و تفسیر‘ علم کلام کے مطابق ہونے لگی۔ فقہاء کے گروہ نے صرف استنباطِ احکام و اخذ مسائل ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لیا اور ان کی سعی و کوشش یہیں تک محدود رہی۔ اربابِ لغت نے دوسری حیثیت سے نظر ڈالی۔ علمائے نحو کے سامنے یہی فن تھا‘ اسی کی خاطر انہوں نے کلام عرب سے شواہد کی تلاش و جستجو کی اور صرف **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** کی تین ہزار ترکیبیں بیان کر دیں۔ اہلِ سلوک و احسان نے صرف تصوف کو اپنی غایت الغایات یقین کر کے قرآن حکیم کو تصوف کے قالب میں ڈھال دیا۔ ظواہر کو چھوڑ کر بطون کے پیچھے پڑ گئے اور مغز کو پھینک کر محض چھلکے پر قناعت کر بیٹھے۔ سب سے زیادہ نقصان اسلام کو اس ہندوانہ تصوف سے پہنچا‘ اور لوگ تو اب تک اس کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ!!**

فاران کی چوٹی پر نزولِ الہام اس لیے ہوا تھا کہ مسلمانوں کے لیے قانونِ اساسی کے طور پر کام دے‘ مگر زمانہ کی نیرنگ سازی ملاحظہ ہو کہ وہ اب ہر کس و ناکس کی رائے و خیال کا دست خوش بن گیا اور ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق اس کی تفسیر کرنے لگا۔ اس بے اصول خطرناک آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا بہت بڑا حصہ زید و عمر کے اقاویل اور شیخ وسید کے اباطیل واکاذیب کا ذخیرہ بن گیا۔ آیاتِ احکام کے مفہوم متعین کرنے میں ''اِعجابُ کُلِّ ذِی رأی برأیہ'' کی آمیزش ہونے لگی۔ وسعتِ معلومات‘ اسلوبِ تحریر‘ اور نسجِ بیان ظاہر کرنے کے لیے تفسیر قرآن میں مفروضات و تخیلات کی جس قدر جولانی دکھاتے بنی اچھی طرح دکھائی گئی اور یہ خیال نہ آیا کہ ہم تلاعُب بالقرآن کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ نظامی شاعر تھے‘ مگر وہ بھی اس دردانگیز حسرت خیز منظر کو نہ دیکھ سکے‘ بے تاب ہو گئے اور ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی:

دین ترا درپے آرائش اند　　درپے آرائش و پیرائش اند
بسکہ بروبستہ شدہ برگ و ساز　　گر تو بہ بینی نہ شناسیش باز

یہ کیفیت ہمیں چھٹی صدی ہجری تک تو نظر آتی ہے کہ احساس تو ہے‘ اگرچہ اس وقت بھی اس عالم آشوب طوفان کے روکنے کی کوئی صورت نہ تھی‘ لیکن بعد کو تو اس قدر استیلائے کفر و ضلالت ہوا کہ اتنی حس و بیداری بھی باقی نہ رہی۔ غوغائے عجمیت میں یہ فریاد بھی کسی کی زبان سے نہ نکل سکی۔ وہ دین فطرت‘ جو حجاز کی وادیوں میں اپنے اصلی حسن و جمال کے ساتھ دلفریبی اور کشش کا باعث تھا‘ اس پر مجوسیوں کی عجائب پرستیاں‘ یہودیوں کے دوراز کار افسانے اور بت پرستوں کے رسم و رواج چھا گئے‘ اور اب ہمارا زمانہ آیا تو دودھ سے پانی کا جدا کرنا سخت ترین کام ہو گیا۔ دِقت آفرینی اور عجائب پسندی کی بنیاد پر جو جو شاخیں نکلیں‘ جیسے جیسے شگوفے پھوٹے اور تفسیروں میں جس نہج پر اس قسم کی روایتیں پھلی پھولیں‘ ان کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلم میں طاقت نہیں کہ ان کو تحریر میں لا سکے۔

ابوالفیض فیضی اکبری دربار کے نورتن تھے‘ قدرت سے طبیعت نکتہ سنج پائی تھی ''سواطع الالہام'' قرآن کی تفسیر لکھی‘ جس میں یہ التزام کیا گیا کہ تمام تفسیر میں اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی منقوط نہ ہو۔ اس نفسانی ہیجان کو پورا کرنے کے لیے انہیں جس قدر اپنی طبیعت پر زور ڈالنا پڑا‘ ان کے اندازِ تحریر سے ظاہر ہے۔ عبارتوں کی عبارتیں‘ فقروں کے فقرے‘ اور ترکیبوں کی ترکیبیں‘ یکے بعد دیگرے چلی آ رہی ہیں‘ جن میں باہم کوئی ربط و تعلق نہیں‘ ایک بے معنی کلام ہے‘ جس کے لیے دلآویز و دلفریب ترکیبوں اور جملوں کی تلاش ہو رہی ہے‘ صورت ہے لیکن معنی نہیں‘ جسم ہے مگر روح سے خالی‘ ایک حی و قائم انسانی وجود ہے‘ جس کے تمام اعضاء و جوارح کاٹ دیے گئے ہیں۔

شیخ علی بن احمد مہائمی ضلع گجرات کے رہنے والے تھے‘ ان کی وفات ۸۳۵ ہجری میں ہوئی۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے بے انتہا ثنا خواں اور مسئلہ وحدت الوجود میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ انہوں نے ''تفسیر رحمانی'' لکھی۔ چونکہ تصوف میں ذوق رکھتے تھے‘ اس لیے قرآن حکیم کی تفسیر اسی صوفیانہ رنگ میں کی۔ آیات کا مطلب احسان و سلوک کے رنگ میں بیان کیا۔ قرآن کی نظم و ترتیب پر بھی روشنی ڈالی تو یہی چیز غالب رہی۔ انہیں اس امر کا خیال نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ محض تصوف ہی سکھانے کے لیے نہ آئے تھے بلکہ وہ مثیلِ موسیٰ

بھی تھے اور آپ ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ فرزندانِ اسلام شہداء علی الناس بن جائیں اور خلافت ارضی کے جائز وارث قرار پائیں۔

ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی آئے۔ انہوں نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام ''انوار التنزیل واسرار التاویل'' ہے۔ عربی مدارس میں اس کا ابتدائی حصہ درس میں شامل ہے۔ اکثر علماء نے اس پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ تفسیر کی کیفیت یہ ہے کہ فن معانی' بدیع' اور بلاغت میں جو کچھ لکھتے ہیں' جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے لیتے ہیں اور بغیر حریت رائے و اجتہاد کے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے مسائل کی نوبت آتی ہے تو فخر الدین رازی سے طالب اعانت ہوتے ہیں۔ جب مفرداتِ الفاظ اور اشتقاق کے مباحث سامنے آتے ہیں تو امام راغب اصفہانی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا' اس سے ان جلیل القدر بزرگوں کی تقبیح و تنقیص مقصود نہیں بلکہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جس کا اظہار ضروری تھا' **الساکت عن الحق شیطان أخرس**۔ اور پھر اس وادی میں ہم ہی اکیلے نہیں بلکہ دوسرے اربابِ بصیرت بھی ہمارے رفیق طریق ہیں۔ چنانچہ صاحب کشف الظنون کی رائے ملاحظہ ہو:

ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا فی شیء من العلوم' وملأ کتابه بما غلب علی طبعه من الفن واقتصر فیه علی ما تمهر هو فیه' کان القرآن انزل لاجل هذا العلم لا غیر مع ان فیه بیان کل شیء فالنحوی تراه لیس لهم الا الاعراب وتکثیر الاوجه المحتملة فیه وان کانت بعیدة وینقل قواعد النحو ومسائله وفروعه دخلافیاته کالزجاج والواحدی فی البسیط وابوحیان فی البحر والنهر' والاخباری لیس له شغل الا القصص واستیفاء ها والاخبار عن سلف سواء کان صحیحة او باطلة' ومنهم الثعلبی' والفقیه یکاد لیرد فیه الفقه جمیعًا وربما استطرد الی اقامة ادلته الفروع الفقهیة التی لا تعلق لها بالآیة اصلا والجواب عن ادلة المخالفین کالقرطبی' وصاحب العلوم العقلیة خصوصاً الامام فخر الدین قد ملأ تفسیره باقوال الحکماء والفلاسفة وخرج من شیء الی شیء حتّٰی یقضی الناظر العجب' قال ابوحیان فی البحر' جمع الامام الرازی فی تفسیره اشیاء کثیرة طویلة لا حاجة لها فی علم التفسیر' ولذلك قال بعض العلماء وفیه کل شیء الا التفسیر' والمبتدع لیس له قصد الا تحریف الآیات وتسویتها علی مذهبه الفاسد بحیث انه لولاح له شاردة من بعید اقتنصها او وجد موضعا له فیه ادنی مجال سارع الیه والملحد فلا تسئل عن کفره والحاده فی آیات اللّٰه وافترائه علی اللّٰه ما لم یقله' ومن ذلك القبیل الذین یتکلمون فی القرآن بلاسند ولا نقل عن السلف ولا رعایة الاصول الشرعیة والقواعد العربیة کتفسیر محمد بن حمزة الکرمانی فی مجلدین' سماه العجائب والغرائب ضمنه اقوالاً هی عجائب عند العوام

وغرائب عما عهد عن السلف بل هی اقوال منکرة لا یحل الاعتقاد علیها ولا ذکرها الا للتحذیر من ذلك وسئل البلقینی عمن فسر بهذا فافتی بانه ملحد واما کلام الصوفیة فی القرآن فلیس بتفسیر قال ابن الصلاح فی فتاواه وجدت عن الامام الواحدی انه قال صنف السلمی حقائق التفسیر ان کان قد اعتقد ان ذلك تفسیر فقد کفر' قال النسفی فی عقائده النصوص تحمل علی ظواهرها والعدول عنها الی معانی یدعیها اهل الباطن الحاد (کشف الظنون' ج۲' ص)

''اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی ہے' اور اپنی کتاب کو اسی فن سے بھر دیا ہے' جو اس کی طبیعت میں غالب تھا' اور محض اسی پر اکتفا کیا جس میں اس نے مہارت حاصل کی تھی۔ گویا قرآن صرف اسی علم کے لیے نازل ہوا تھا' حالانکہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے' نحوی کو فقط اعراب اور وجوہ ترکیب ہی پیش نظر ہیں' اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں' وہ نحو کے قواعد' مسائل فروع اور خلافیات ہی کو داخل کرے گا۔ جس طرح زجاج و واحدی نے بسیط میں اور ابوحیان نے بحر اور نہر میں کیا ہے۔ اخباری کو صرف قصے اور ان کی تکمیل ہی پیش نظر رہتی ہے۔ گزشتہ قصوں کا خیال رہتا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط' ثعلبی ان لوگوں میں سے ہیں۔ فقیہہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ داخل کر دے' بسا اوقات فقیہ' فرعیاتِ فقہ کی دلیلیں لاتا ہے' حالانکہ نفس آیت سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور پھر مخالفین کے جواب بھی نقل کر دیتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں سے قرطبی ہیں۔ اربابِ علوم عقلیہ میں امام رازی ہیں' جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہیں سے کہیں چلے جاتے ہیں' جس سے دیکھنے والا تعجب میں رہ جاتا ہے۔ ابوحیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں درج کر دیں جن کی علم تفسیر میں کچھ ضرورت نہ تھی۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں۔ ایک بدعتی کی غرض آیتوں کی تحریف ہوتی ہے تاکہ ان کو اپنے فاسد مذہب پر منطبق کرے' یہاں تک کہ اگر اسے کوئی دور کی بات بھی سوجھتی ہے تو اسے لے لیتا ہے یا اگر کوئی ایسا موقعہ پاتا ہے جس میں اس کی کچھ بھی بات بن سکے تو فوراً بنا لیتا ہے' اور ملحد کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ خدا کی نسبت جھوٹ بناتا ہے جو اس نے بالکل نہیں کہا' اور جو لوگ قرآن میں بلا سند' سلف صالحین کے اقوال کے ماسوا' قواعد عربیہ اور اصول شرعیہ کے بغیر کچھ کہتے ہیں' وہ سب اسی قسم میں شامل ہیں۔ محمود بن حمزہ کرمانی کی تفسیر دو جلدوں میں اسی قسم کی ہے' جس کا نام العجائب والغرائب رکھا ہے۔ اس میں ایسے اقوال نقل کیے ہیں جو عوام کے نزدیک عجیب اور طریق سلف سے دور ہیں' بلکہ ایسے ہیں کہ ان پر اعتقاد ہی جائز نہیں اور ان کا ذکر تحذیر کے سوا ناجائز ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق بلقینی سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایسے مفسر ملحد ہیں اور قرآن کے بارہ میں صوفیہ کا کلام تفسیر نہیں۔ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ اس نے امام واحدی سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ سلمی نے حقائق التفسیر لکھی ہے' جو شخص اس کو تفسیر کہے وہ کافر ہے۔ نسفی نے اپنے عقائد میں کہا کہ نصوص کو اپنے ظواہر پر محمول کیا جائے گا اور ان سے اہل باطن کے معانی کی جانب پھرنا الحاد ہے۔''

اس قسم کی تفاسیر کے درس و مطالعہ اور بحث و نظر نے ہماری تمام قوتوں پر عالمِ ممات طاری کر دیا۔ چونکہ

انسان منفعل اور اثر پذیر واقع ہوا ہے' اس لیے عام لوگوں نے تعطل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور آخر یہ کہنا پڑا کہ لم یبق من الاسلام الا رسمہ۔

الفاظ کی غلط تعبیر

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن حکیم کے اکثر الفاظ کے حقیقی مفہوم و معانی بدل دیے گئے۔ لسانِ الٰہی نے ان کو جن مواقع پر استعمال کیا تھا اور جو مطالب صاحبِ شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے پیش نظر تھے' وہ بالکل فراموش کر دیے گئے۔ ہم مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کرتے ہیں:

(۱) **توکّل**' عام لوگوں کے نزدیک اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ ایک انسان' بیکاروں اور اپاہجوں کی زندگی بسر کرے' ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے' کوئی کام نہ کرے' لوگوں کے صدقات و خیرات اور نذور و ہدایا پر نظر رکھے۔ لیکن قرآن اس کا مفہوم بالکل جداگانہ بتاتا ہے۔ اُس کے نزدیک توکّل کے یہ معنی ہوں گے کہ مشکلات و مصائب کے وقت ہمت و استقلال' عزم و ثباتِ قدم اور جوشِ صادق و ولولۂ عمل کے ساتھ مصروفِ کار ہو۔ نتائج و ثمرات کی طرف سے خوف زدہ ہو کر اپنے فرائض حیات کو ترک نہ کر دے' بلکہ خدائے حق نواز سے پوری توقع رکھے کہ وہ ضرور کامیابی نوازش کرے گا' چنانچہ فرمایا:

﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۫ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾ (المائدۃ)

''وہ لوگ لگے کہنے' اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں' اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمی تھے جن پر اللہ نے اپنی خاص مہربانی کی' وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو' اور جب تم دروازہ میں گھس پڑو تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔''

(۲) **صبر**' مشہور یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی تکلیف و مصیبت آ پڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ ذلتوں اور رسوائیوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈال لیں' پٹیں اور اُف نہ کریں' سب طرف سے لعنت و نفرین ہو' اور ہم خاموش بیٹھ کر سنا کریں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ صحیح اصول اور مقاصدِ صالحہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے وقت جس قدر بھی تکالیف و شدائد آئیں ان کو برداشت کریں' باوجود ان آلام و مصائب کے اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں' کام برابر جاری رکھیں اور رکاوٹوں سے گھبرا کر اپنے آپ کو بے دست و پا نہ بنا لیں۔ حسب ذیل آیتیں اس مفہوم کی تائید کرتی ہیں:

﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ (آل عمران)

''اور بہت سے پیغمبر ہوگزرے ہیں' جن کے ساتھ ہوکر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے' تو جو مصیبت ان کو اللہ کی راہ میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بودا پن کا اظہار کیا اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا۔ اور اللہ صابروں کو دوست رکھتا ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! اپنے مقصد پر مرمٹو' دوسروں کو مرنے کے لیے تیار کرو' دشمنوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کرو' اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

قرآن حکیم ارباب صبر واستقامت سے کم از کم اتنی توقع ضرور رکھتا ہے کہ اپنے سے دگنی طاقت کا مقابلہ کرسکیں:

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال)

''اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو دوسو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے وہ دو ہزار (کافروں) پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔''

(۳) تقدیر' اس عقیدہ کے غلط مفہوم نے بھی مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کچھ کم حصہ نہ لیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ جب سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے تو ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے' انفرادی واجتماعی زندگی کے بقا وقیام کے لیے کوشش کرنا ترک کردی' بیکاروں اور اپاہجوں کا ایک گروہ بن گیا اور بے دست و پا بن کر دوسروں کے لیے بارِدوش ثابت ہوئے' لیکن یقین کیجیے کہ اسلام کبھی اس سے آلودہ دامن نہیں ہوا' اس کی تعلیم کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مسلمان تعطل و بیکاری کی زندگی بسر کریں' بلکہ وہ تو یکسر پیغامِ عمل ہے' اس نے اپنے نزول کے اوّلین روز ببانگِ دہل اس امر کا اعلان کردیا کہ:

﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝﴾ (النجم)

''انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر دیکھی جائے گی۔''

پھر فرمایا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال)

''جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس نیکی کو دیکھ لے گا' اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۳٤)

''ان کا کیا ان کو' اور تمہارا کیا تم کو۔''

گویا اس نے ہر ایک کے سامنے دعوتِ عمل پیش کی' اور بتادیا کہ یہ صرف انسان کی اپنی سعی وکوشش ہے جو اچھے اور برے نتائج پیدا کرتی ہے۔ ((اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ))(۱) میں اسی حقیقت کو واضح کیا۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظلم۔

قرونِ اولیٰ کے مؤمنینِ قائلین تقدیر کا مفہوم صرف اتنا جانتے تھے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت' ہمارے نفع ونقصان' سود وزیاں' داد وستد' سلب وعطا' اور حیات وممات کی مالک نہیں' صرف خدائے یگانہ وقہار ہی کی ذات ہر قسم کے احکام نافذ کرتی ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس عقیدہ نے عرب کے بادیہ نشینوں میں اتنا جوش وولولہ عمل اور استقلال وثباتِ قدم پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کی تخت گاہوں کو اُلٹ دیا' اُس وقت تو ایک ایک قطرہ طوفان در بغل تھا' اور اب سب کے سب یاس وحسرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں' فشتان بینهما۔

(٤) **جهاد فی سبیل اللّٰه**' بہت سی زبانیں تو اس کے ذکر ہی سے گنگ ہیں' شیاطین الانس کا خوف ان کے رگ وپے میں اس درجہ اثر کیے ہوئے ہے کہ وہاں اللہ کے خوف کے لیے جگہ نہیں: ﴿يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ (النساء:۷۷) اور جنہیں ابھی بولنے کی طاقت حاصل ہے وہ اسے جہاد بالنفس پر محمول کرتے ہیں اور ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ''(۱) کی غلط اور موضوع حدیث سے ان کا نفس خادع تمسک واعتصام کرتا ہے۔ گویا ابلیس نے ان علمائے سُو کو اپنے اعمالِ شیطانی کے لیے ایک آلہ بنالیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے' لیکن قرآن حکیم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصف)

''بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔''

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں سے تمام تعلقات وروابط منقطع کیے گئے وہ وہی تین جلیل القدر صحابہ تھے جو کاہلی کی بنا پر جنگِ تبوک میں شریک نہ ہوئے:

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (التوبة)

''اور اُن تین پر بھی جو بانتظارِ امر خدا ملتوی رکھے گئے تھے' یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی' اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تاکہ وہ آئندہ کے لیے توبہ کیے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کی نسبت فرمایا کہ نہ صرف یہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنیں گے بلکہ ان کی وجہ سے تمام قوم مبتلائے آلام ہوگی:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال)

''اور اس بلا سے ڈرتے رہو' جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی

(۱) الاسرار المرفوعة لملا علی قاری: ۲۱۱۔ قیل لا اصل له او باصله موضوع۔

ہے' بلکہ سب اس کی زد میں آ جاؤ گے' اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔''

جس طرح ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کے بقاوقیام کے لیے ہر قسم کی جدّوجُہد کرتا ہے' ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں پر حیات اجتماعی کے قائم ودائم رکھنے کے لیے جہاد کو لازم اللوازم قرار دیا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:٦٠)

''اور سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے لیے ساز و سامان مہیا کیے رہو' کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔''

پھر نبوت کے اعمال مہمہ میں سب سے اشرف واعلیٰ مقام اسے نوازش کیا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (الانفال:٦٥)

''اے نبی! مسلمانوں کو جنگ وقتال کرنے کے لیے اُبھارو۔''

عالم الغیب والسرائر کو اس امر کی اطلاع تھی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر زندگی بطالت وبدعملی' اور جبن ونامردی کی تصویر ہوگی۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراش کر نفس خادع کے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے اور قتال فی سبیل الحق والحریۃ ترک کر دیں گے' اس لیے سورۃ التوبہ میں ان کے ایک ایک عذرِ لنگ کو بیان کیا' ہر ایک کی حقیقت آشکارا کر دی' اور بتا دیا کہ تمہیں کسی طرح بھی اس فرضِ اَہم واَقدم سے نجات نہیں مل سکتی۔ یہ فوجی خدمت ہر مسلم مرد وعورت' امیر وغریب' بادشاہ وفقیر اور آقا وغلام پر لازمی ہے' اور اس سے کسی کو حق استثناء حاصل نہیں۔ ہم اس وقت صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں' تفصیل کا مقام دوسرا ہے:

(ا) مخالفین ومعاندین اسلام نے اپنی مجتمعہ قوت سے اسلامی حکومتوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا ہے' مسلمانوں کے تمام بلاد وامصار تباہ وبرباد ہو رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ حمیتِ مذہبی کی وجہ سے مسلمان مقابلہ کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دشمنانِ دین فوراً اپنے مواعید کاذبہ کا اعلان کر دیتے ہیں کہ فرزندانِ اسلام کے تمام حقوق کی حفظ ونگہداشت کی جائے گی' ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا جائے گا اور ان کے مذہبی وسیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی جائے گی۔ اس قسم کی دل فریب باتیں سن کر اکثر حیلہ جُو طبیعتیں پکار اٹھتی ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا حد درجہ کی سفاہت وبداخلاقی ہے۔ یہ تو پیکر فرشتگی وملکوتیت ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جہل ونادانی ہے' وہ کبھی اپنا وعدہ پورا نہ کریں گے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (التوبۃ:١٧)

''مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں۔''

(ب) مسلمان اپنے گھروں میں نیک کام کرتے ہیں' علمائے کرام قرآن وحدیث کے درس میں مصروف ہیں' گروہ صوفیہ اپنی خانقاہوں میں اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے کہ تزکیۂ نفس حاصل ہو' ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو ان سے اپنی تشنگی کو دور کرتے اور سیراب ہو ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ ان اعمالِ صالحہ کو پیش کر کے اپنے آپ کو قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن لسانِ الٰہی ان بدبختانِ ملت کو ظالم قرار دیتی ہے:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۹﴾﴾ (التوبۃ)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد رکھنے کو اس شخص کی خدمتوں جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے؟ اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں' اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔''

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سال کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا' تین ماہ تجارت کرتے' تین ماہ درسِ حدیث میں مصروف رہتے' تین مہینوں میں حج ادا کرتے اور باقی ایام جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کرتے۔ انہوں نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو خط بھیجا جو اُس وقت بیت اللہ میں معتکف تھے اور حضرت عبداللہ مصروفِ جہاد۔ اس خط کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

يا عابدَ الحرمين لو ابصرتنا
لعلمت انك بالعبادة تلعب!

فضیلؒ رو پڑے اور کہا ابوعبدالرحمٰن سچ کہتا ہے۔

(ج) دُنیاوی ضرورتیں' ماں باپ کی محبت' رشتہ داروں کی خبر گیری' مساکین وغرباء کی اعانت' اور زمین وجائیداد کی حفاظت' ان میں سے ایک چیز بھی جنگ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۴﴾﴾ (التوبۃ)

''کہہ دو اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' کنبے اور مال جو تم نے کمائے ہیں' سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو' اور مکانات جن کو تمہارا جی چاہتا ہے' اللہ' اُس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو صبر کرو' یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے۔ اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو سرتابی کریں۔''

(د) قلتِ تعداد' فقدانِ اسباب اور صنعت ظاہری کی بنا پر جہاد کو ترک نہیں کیا جا سکتا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴿۲۵﴾﴾ (التوبۃ)

''اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے' اور حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا' تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگی کرنے' پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔''

(ہ) تاجرانہ تعلقات اور ملازمت کے روابط کی بنا پر کسی قوم سے جنگ کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا' اور یہ خیال نہ ہو کہ اس سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں گے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ﴾ (التوبۃ:۲۸)

''مسلمانو! مشرک تو گندے ہیں' تو اس برس کے بعد حرمت والی مسجد کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں' اور اگر ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

پس ان تمام آیات نے واضح کر دیا کہ جب تک آنکھوں میں بصارت ہے' کان سن سکتے ہیں' ناک سونگھ سکتی ہے' زبان میں قوتِ گویائی' ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت' اور پاؤں میں چلنے کی قابلیت ہے' ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے' تمام محبتوں اور چاہتوں پر اس کی شیفتگی و وارفتگی غالب رہے' اس کا سودا سر میں ہو اور اسی کی زنجیر پاؤں میں ہو کہ یہی اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ ہے' یہ سنام الاسلام ہے' یہی عُصارۂ ایمان اور مغزِ عبادت ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝﴾ (الحج)

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لیے چُن لیا' پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لیے کوئی رکاوٹ نہیں! یہی ملّت تمہارے مورثِ اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے' اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے گزشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی' تاکہ رسول تمہارے لیے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لیے شاہد ہو۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے رشتہ کو مضبوط پکڑو (یعنی جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لٹاؤ) وہی تمہارا آقا اور مالک ہے (اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو) اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!''

احادیث نے اس کی اہمیت کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ))(۱)

''قسم ہے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں' پھر شہادت کا درجہ حاصل کر کے زندہ کیا جاؤں' پھر شہید ہو کر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔''

دوسری حدیث میں کہا:

((رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا))(۲)

''ایک دن اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنی بہتر ہے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب تمنی الشهادة۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللّٰه۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب فضل رباط یوم فی سبیل اللّٰه۔ وسنن الترمذی' ابواب فضائل الجهاد عن رسول اللّٰه ﷺ' باب ما جاء فی فضل المرابط۔

جس شخص نے جہاد کا ایک لمحہ کے لیے بھی ارادہ نہ کیا ہو اور اسی حالت میں مر گیا ہو اس کی نسبت فرمایا کہ وہ منافق کی موت مرا ہے:

((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ))(۱)

''جو شخص مر گیا' نہ تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا ہوا' وہ نفاق کی موت مرا۔''

ایک موقعہ پر یوں ارشاد ہوا:

((اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ)) (۲)

''جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں۔''

غلط فہمی کے اسباب

آیات کا مفہوم سمجھنے میں اکثر غلطیاں اس لیے سنگ راہ ہو گئیں کہ باریک بیں نگاہوں نے الفاظ کو موشگافی کی نظر سے دیکھا' اور جب اس سے بھی سیری نہ ہوئی تو دامانِ نگاہ کو تنگ کرنے کے لیے ہر قسم کی تاویلات سے مدد لی اور بات کہیں سے کہیں جا پڑی۔ بے شبہ قرآن حکیم کا مفہوم اور مطلب سمجھنے کے لیے سخن فہم اور نکتہ سنج طبیعت کی ضرورت ہے' لیکن اسی کے ساتھ ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد کے اصول سے بھی علیحدگی ممکن نہیں۔ قرآن کے پڑھنے والے کو جس علم و فن پر عبور لازم ہے وہ اُسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ ہے' جس کی ناواقفیت سے تفسیر میں صدہا مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔

دوسری غلط فہمی شانِ نزول کے متعلق پیدا ہو گئی' ہر آیت کے لیے کوئی نہ کوئی واقعہ فرض کر لیا گیا' پھر اس کے مطالب کو اسی مخصوص حادثہ میں محدود کر دیا۔ ان میں بیشتر وہ واقعات تھے جو اہل کتاب سے منقول اور اس لیے ناقابل اعتماد تھے' مگر ان اربابِ تفسیر نے ان اسرائیلیات کو اصل و اساس قرار دے کر قرآن کی تفسیر لکھی' اور اس طرح اس کتاب کی اجتماعی اور محیط الکل حیثیت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ قرآن کو افسانہ گوئی کی کتاب بنا دیا' قصۂ یوسفؑ' واقعہ حسن و عشق بن گیا اور اب تو عام زبانوں پر جاری ہے:

کہ من اسیر بمعشوق او بفرزند است!

سلیمان علیہ السلام کے عجائب و غرائب تو زبان زد خاص و عام ہیں' ہاروت و ماروت کا ذکر بھی اسی قبیل سے ہے۔

قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ اُمتوں کے واقعات اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے بصیرت اندوز ہوں' ان سے استخراج و استنباطِ نتائج و شواہد کریں' جہانگیری و جہانداری کے اصول و ضوابط کی تعلیم ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسه بالغزو۔ وسنن النسائی' کتاب الجهاد' باب التشدید فی ترك الجهاد۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب ثبوت الجنة للشهید۔ وسنن الترمذی' ابواب فضائل الجهاد' باب ما ذکر ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف۔

پھر مصیبت یہ ہوئی کہ قرآن کے تخاطب کو صرف عرب کے لیے مخصوص کر دیا' کہا کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ سے مراد کفارِ مکہ ہیں اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا روئے سخن اہلِ مدینہ کی جانب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت اوّلین مخاطب یہی لوگ ہیں' مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کی باقی قومیں اور آنے والی نسلیں ان آیات کی مخاطب نہیں بن سکتیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اختلف اهل الاصول هل العبرة بعموم اللفظ او بخصوص السبب والارجح عندنا الاول

''اہلِ اصول کا اس امر میں اختلاف ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا' ہمارے نزدیک قول اوّل ہی ارجح واقویٰ ہے۔''

باوجود اس قسم کی تصریحات کے متاخرین نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اسی کا آج اثر ہے کہ صرف برکت اور بزرگی کی خاطر قرآن کی تلاوت ہوتی ہے' اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک اس کے مخاطب عرب تھے نہ کہ ہم۔ انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ قرآن بار بار درس ومطالعہ کی دعوت دیتا ہے' محض الفاظ پر زور دینا اور حقیقت سے غافل رہنا شریعت کے نزدیک بے کار ہے۔ اس کا روئے سخن عالمگیر ہے وہ ایک بین الملی جامعہ کے قیام کے لیے آیا ہے' وہ ہماری انفرادی واجتماعی خرابیوں کا تذکرہ کرتا ہے' ان کی اصلاح وتہذیب کے لیے مرتب قانون پیش کرتا ہے' مگر چونکہ یہ حقیقت پیش نظر نہیں' اس لیے ہماری قوتیں بے کار ہوگئیں' اپاہجوں کی اُمت بن گئے' احیاء اور تجدید کی ضرورت محسوس ہوئی تو یورپ کی جانب دیکھا اسی کی تقلید اعمیٰ کی زنجیروں نے ہمارے پاؤں کو بوجھل کر دیا۔

اقسام القرآن کا علم نہایت ہی معنی خیز اور لطیف ودلآویز تھا' جس سے صدہا سرائر ومجوباتِ فطرت کا کشف وبروز ہوتا تھا' مگر اوّل تو ان کی نظر ہی وہاں تک نہ پہنچی' اور اگر امام فخر الدین رازی کو کچھ تنبہ ہوا بھی تو اتنا سا کہہ کر رہ گئے کہ قسمیں صرف ان چیزوں کی بیان کی جاتی ہیں جو جلیل القدر ہوں۔

قرآن حکیم میں بار بار کہا گیا کہ جو لوگ ایمان باللہ اور عمل صالح رکھتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوں گے' زندگی کے ہر شعبہ میں شاد کام وبامراد رہیں گے' اور کبھی انہیں حزن وملال نصیب نہ ہوگا۔ اربابِ تفسیر نے اس امر پر مہر لگا دی کہ اعمالِ صالحہ کے جن نتائج وثمرات کا ذکر کیا گیا ہے' وہ قیامت کے لیے مخصوص ہیں' دنیا میں مسلمان ذلیل ورسوا رہیں گے۔ اس خیال نے پختگی پیدا کی' اور اب تو یہی عقیدہ ہر مسلمان کے قلب ودماغ پر حاوی ہے۔ پس مسلمان دنیا کی جانب سے غافل ہوگئے' اور محکومانہ زندگی پر قناعت کر بیٹھے' مگر قرآن کہتا ہے:

﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الزمر:٢٦)

''جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ ان کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزا چکھایا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾ (البقرۃ:۸۵)

''تو کیا کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں؟ پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔''

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ﴾ (آل عمران:۱۱۲)

''جہاں دیکھو ذلت ان پر سوار ہے' مگر اللہ اور نیز لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے کہیں ان کو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے' اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں' اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے۔''

یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ ذلت و مسکنت' خسران و خذلان' اور غلامی و محکومی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذابِ شدید کی نشانیاں ہیں' البتہ جن اربابِ قدس و طہارۃ کو وہ اپنے فضلِ مخصوص کے لیے چن لیتا ہے' ان کو جنتِ ارضی' خلافتِ الٰہی' اور سرفرازی و سربلندی نوازش کرتا ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران)

''اور نہ ہمت ہارو' اور نہ غم کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

پھر کہا:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (الانبیآء)

''اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔''

اس سے زیادہ اور کیا صداقت ہو سکتی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں' ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو سلطنت ضرور عطا کرے گا۔''

سیاست تو ان کے نزدیک شجرۂ ممنوعہ سے کم نہ تھی' اس کا قرب و اتصال بھی ان کے لیے ارتکابِ کبیرہ کے برابر تھا' اور بعض نکتہ آفریں طبائع نے تو اپنی بدمذاقی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی تفسیر میں لکھا کہ اس میں جس درخت کے قریب جانے کی ممانعت کی گئی ہے وہ یہی سیاست ہے۔ اس خیرہ نظری کی انتہا یہ ہوئی کہ مذہب اور سیاست کو دو جداگانہ چیزیں سمجھا جانے لگا۔ اب تو ہر شخص اس کو مسلمانوں کے مسلمہ عقائد میں سے تسلیم کرتا ہے' اور اربابِ عمائم اپنے مواعظ و خطب میں ببانگِ دہل کہہ اٹھتے ہیں کہ مذہب کا حلقہ دوسرا ہے اور سیاست کا دوسرا۔ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ!

آہ! ان بدبختانِ ملت کو یہ تمیز نہ رہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ معجزاتِ قاہرہ اور بشاراتِ عظیمہ دے کر فرعون کے پاس بھیجتا ہے' فرعون مشرک بھی ہے' مے نوش بھی ہے' بدکار بھی ہے' فاسق بھی ہے' فاجر بھی ہے' غرض وہ سب کچھ ہے جو دنیا کا ایک سیہ کار اور شریر وظالم انسان ہوسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر برحق تھے۔ توحیدِ الٰہی' ردِّ شرک واَصنام پرستی' تزکیۂ نفس واَخلاق' درسِ کتاب و حکمت' ان کے فرائض نبوت کے حقیقی ارکان ہیں۔ ان کا مخاطب ایک مشرک وفاجر بادشاہ اور ایک مشرک وفاجر حکمران قوم تھی۔ اگر سیاست اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں' جیسا کہ نادانی اور جہل کے ابلیس نے تمہیں سمجھایا ہے' اور اگر ایک قوم کو غلامی سے نجات دلانا ایک غیر دینی عمل ہے' جیسا کہ بدبختانہ تم سمجھتے آئے ہو' تو اب ضرور تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت وتبلیغ بھی اس چیز سے بالکل علیحدہ رہتی جس کا نام تم نے سیاست رکھا ہے۔ وہ آتے اور فرعون سے سب کچھ چاہتے مگر وہ نہ چاہتے جو نہ تو دین ہے اور نہ پیغمبرانہ دعوت کا کوئی جزو حقیقی' مگر قرآن حکیم تمہارے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو نہ تو توحید کی دعوت دی' نہ اُس کی شراب کی بوتلیں توڑ ڈالیں' نہ اس کی سیاہ کاریوں کا جائزہ لیا' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دعوت کا صرف ایک ہی مقصد بتا کر رخصت کیا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾﴾ (طٰہٰ)

''فرعون کے پاس جاؤ' کیونکہ وہ بڑا سرکش اور ظالم ہوگیا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے اور انہوں نے بجز اس کے اور کچھ نہ کہا:

﴿اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾﴾ (الدّخان)

''اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو مجھے واپس دے دو (جسے تم نے اپنا محکوم بنا رکھا ہے) میں تمہارے پاس ایک امانت دار رسول بن کر آیا ہوں۔''

تم نے غور کیا' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے آگے اپنی تبلیغ کا یہ مقصد نہیں کہا کہ فسق وفجور چھوڑ دو' گناہ اور شرارت سے باز آجاؤ' نیک زندگی اختیار کرو' پاک طریقوں پر عمل کرو' بلکہ اوّلین مطالبہ یہ کیا کہ خدا کے جن بندوں کے پاؤں میں تو نے اپنی محکومی اور غلامی کی زنجیریں ڈال دی ہیں انہیں چھوڑ دے اور مجھے واپس دے دے' خدا نے مجھے اس قوم کا امین بنایا ہے' اس کے بندوں کو میں آزادی دلاؤں گا' محکومی کی جگہ ایک حکمران قوم بناؤں گا' خدا کے بندے خدا کی امانت ہیں' تو ظالم ومستبد ہے' اس لیے تو اس امانت کا مستحق نہیں' یہ شرف اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے کہ میں اس امانت کو ٹھیک ٹھیک اپنے پاس رکھوں گا۔

یہ مطالبہ اگرچہ نہایت مختصر الفاظ میں کیا گیا' لیکن درحقیقت وہ سیاست کی روح' سیاست کا مغز اور سیاست کی حقیقی تفسیر تھا۔

دعوت وتبلیغ

اب ہم اتنی منازلِ مختلفہ طے کرنے کے بعد مذہب کے اس اَہم واَقدم باب کی طرف توجہ کرتے ہیں' جس میں داخل ہونے کے بعد ہر قوم نے کامرانی وسربلندی کی راہیں اپنے سامنے کشادہ پائی ہیں' اور جہاں ذرا سی

زلّتِ قدم نے ان کو ہمیشہ کے لیے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔

اسلام سے قبل جس قدر اقوام وامم اس زمین کی پشت پر پیدا ہوئیں' اگر ان کے تنزل وانحطاط کے اصولی اسباب ومراتب کا درس ومطالعہ کیا جائے تو سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز علت یہی نظر آئے گی' جو تمام امراض ومفاسدِ ملی کے لیے بمنزلہ اصل واساس کے کام دے گی' کہ امت کے تمام افراد نے تبلیغ ودعوت کے اہم واقدم فرض سے بُعد وہجر اختیار کیا' انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ برائی کا ارتکاب کیا جارہا ہے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ گویا آنکھیں اس لیے نہ دی گئی تھیں کہ ان سے دیکھنے کا کام لیتے: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج)

پھر اس کے ساتھ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ ایک مخصوص گروہ نے دعوت واصلاح کو اپنے اندر محدود کر دیا کہ کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔ ہندوؤں میں صرف برہمن ہی ویدوں کے عالم بن سکتے ہیں' دوسروں کو صرف ان معبودانِ باطل کی رسوم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ رومن کیتھولک کے فادروں نے کتاب مقدس کے اسرار وخزائن پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا درجہ دیا۔

قرآن حکیم کا نزول ہوا کہ وہ ان بیڑیوں کو کاٹ دے جو لوگوں کے پاؤں میں ڈال دی گئی ہیں۔ اُس نے ہر مسلم کا فرض قرار دیا کہ وہ مبلغ ہے اور اسلام وقرآن کی آواز دنیا کے گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچانا اس کا مقصد حیات۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''لوگوں کی راہنمائی کے لیے جتنی امتیں پیدا ہوئی ہیں ان میں تم سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے' اور برے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا تا کہ لوگوں کے راہنما بنو۔''

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ (الحج)

''اگر حاکم بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' لوگوں کو اچھے کاموں کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔ اور سب چیزوں کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

یہ تمام آیات بغیر کسی اختلاف وتفریق کے ببانگِ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں کہ مسلمان صرف اس غرض کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں کہ وہ ہر نیکی کے آمر اور ہر برائی کے ناہی ہیں' تبلیغ ودعوت ان کا طغرائے امتیاز ہے' جو ان کو باقی تمام اقوامِ عالم سے نمایاں کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر فرد پیکر دعوت واصلاح ہے اور اس میں کسی ایک گروہ کی تخصیص نہیں' بلکہ یہ فرضِ عام اور سب پر فرداً فرداً حاوی۔

سورۃ العصر نے تو کامیابی اسی تبلیغ واشاعت ہی کو قرار دیا کہ اگر فرزندانِ اسلام تواصی بالحق وتواصی بالصبر نہ کریں گے تو خسران وخذلان اور ذلت وادبار میں مبتلا ہوں گے اور پھر وہی لوگ مستوجب عقوبت نہ ہوں گے جنہوں نے تبلیغ وارشاد کو اپنی زندگی کا مقصدِ اصلی قرار دیا اور اس کے ادا کرنے میں تساہل سے کام لینے لگے بلکہ پوری اُمت کی امت مبتلائے آلام ہوگی۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال:۲۵)

جبکہ ہر مسلم داعی الی الحق پیدا کیا گیا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ لسانِ نبوت خاموش رہتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہ ڈالتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً))(۱) ''اگر ایک آیت بھی جانتے ہو تو اس کی نشر واشاعت کرو۔''

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰى لَهٗ مِنْهُ))(۲)

''ہر وہ شخص جو اِس وقت موجود ہے غائب کو اس کی اطلاع کر دے ممکن ہے جس کو اس کی خبر پہنچے وہ مبلغ سے زیادہ صاحبِ فہم وفراست ہو۔''

پھر ایک جگہ فرمایا:

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْإِيْمَانِ))(۳)

''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ طاقت سے کام لے کر اس کو روکے اگر قوت نہیں تو زبان سے ورنہ دل سے ضرور ہی برا جانے اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمان ہے۔''

مزید تاکید کے بعد ارشاد کیا:

((اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ))(۴)

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال کیا جائے گا۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اس کی اہمیت کو واضح کیا:

لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَةَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّيْ اُنْفِذُ كَلِمَةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبْلَ اَنْ تُجِيْزُوْا عَلَيَّ لَاَنْفَذْتُهَا(۵)

(۱) صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل۔وسنن الترمذي، ابواب العلم، باب ما جاء في الحديث عن بني اسرائيل۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم رب مبلغ أوعى من سامع ۔ ومسند احمد، ح ۱۹۴۹۳ (الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث صحاح ستہ میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔)

(۳) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان.....

(۴) صحيح البخاري، كتاب الاحكام، باب قول الله تعالى واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم اور متعدد دیگر مقامات۔ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل وعقوبة الجائر.....

(۵) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل..... (في ترجمة الباب) وسنن الدارمي، المقدمة، باب البلاغ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وتعليم السنن۔

''اگر تم تلوار کو میری گردن پر رکھ دو اور مجھے یہ توقع ہو کہ گردن کٹنے سے قبل میں ان کلمات کی تبلیغ کر سکوں گا جو میں نبی علیہ السلام سے سن چکا ہوں' تو ضرور کہہ کے رہوں گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاتِ مقدس اس امر کی شاہد ہے کہ ان میں ایک ایک فرد مجسم دعوتِ اسلام تھا۔ وہ کہیں جاتے' تبلیغ کا درد ان کے دل میں تھا' ان کا ہر اقدام و ادبار اسی غرض کے لیے ہوتا' تجارت تھی تو اسی کے لیے' زراعت تھی تو اسی کی خاطر' بلاد بعیدہ اور ممالک اجنبیہ کے دور دراز سفر تھے' جنگلوں اور بیابانوں کی بادیہ پیمائی تھی' پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں' سمندروں اور دریاؤں کی طوفان خیز موجیں' آندھیوں اور طوفانوں کی ہلاکت خیز بربادیاں' ان کی راہ میں حائل تھیں' مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے لیے تنگ راہ ثابت نہ ہوئی۔ قید خانوں کی کوٹھری میں بھی وہ اُسوۂ یوسفی کو ہاتھ سے نہ دیتے اور برابر تبلیغ میں مصروف رہتے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر زندگی اسی فرض جلیل کے ادا کرنے میں گزر گئی' لوگوں نے آپ پر پتھر برسائے' گالیاں دیں' مجنون و ساحر کہا' کس لیے؟ صرف اس لیے کہ وہ داعی حق' ناشر صداقت اور مبلغ قرآن تھے۔

لیکن آہ ثم آہ! مسلمانوں نے اس اُسوۂ حسنہ کو ترک کر دیا' اس سے بُعد و ہجر اختیار کیا اور اس کو وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ پھینک کر یقین کر لیا کہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ لیکن صدیوں کے تجربہ نے آج اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ جب تک ہر فرزند اسلام قرآن حکیم کی دعوت کے لیے سر بکف کوشش نہ کرے گا' اور اس کتاب عزیز کو لے کر سرفروشانہ اقدام نہ کرے گا' اُمت مسلمہ کا تنزل و انحطاط سے نجات حاصل کرنا محالِ قطعی ہے۔

چند ابتدائی صدیوں تک مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ تبلیغ و دعوت ہر مسلمان کا فرضِ حیات ہے' مگر آخر جمود و استبداد نے ان کی قوتوں کو پامال کر دیا اور گروہ علماء نے اس پر قبضہ کر لیا۔ گویا یہ اقلیم فرمانروائی تھی جو صرف انہی کے لیے مخصوص تھی' لیکن آج وہ بھی اپنے فرض سے غافل اور خانقاہوں میں تسبیح و سجادہ پر قانع ہیں۔

پس وقت آ گیا ہے کہ ہر وہ مسلم جس کے دل میں اسلام کا درد اور دین کی ٹھیس ہے میدانِ عمل میں آگے بڑھے اور قرآن کی نشر و اشاعت میں لگ جائے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ (الانعام:۱۵۳)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص:40 روپے اشاعت عام:15 روپے

مستقبل کا نظریۂ حیات

شعور بحیثیتِ حقیقتِ اولیٰ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

یہ کائنات کس شے سے عبارت ہے؟

عام فہم کے مطابق دنیا دو مختلف اشیاء سے عبارت معلوم ہوتی ہے' مادّہ اور ذہن۔ مادّہ بے حرکت اور بے جان ہے۔ آپ چاہیں تو کرسی کو دھکیل دیں اور چاہیں تو کھینچ لیں' چاہیں تو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں' چاہیں تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور چاہیں تو اسے پھر جوڑ لیں' یہ قطعاً مزاحمت نہیں کرتی۔ اس کا اپنا کوئی مقصدِ حیات نہیں۔ تمام ''بے جان'' مادّے اسی کیفیت کے حامل ہیں۔

لیکن ذہن یا شعور کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ مختلف ہے۔ جب مادّے میں عام مفہوم کے مطابق شعور ہو تو یہ فعل اور حرکت کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ کسی مقصد کے زیرِ ہدایت اور تابع فرمان رہ سکتا ہے۔ داخلی اعتبار سے کسی نظم کا پابند ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی حیوان کی حرکات و سکنات کو منضبط کرنا چاہیں تو آپ کو ایک بہت پُر پیچ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو خارجی محرکات پر حیوانی طرزِ عمل کے مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے' مگر اس میں بھی کامیابی غیر یقینی ہوتی ہے۔ حیوان کے کچھ اپنے مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ منشا و مقصد کے مطابق عمل کرنا شعور کا ایک خاصہ ہے جس سے مادّہ محروم ہوتا ہے۔

مادّے اور ذہن کے اس بظاہر وسیع اختلاف کے باوجود فلسفی اور سائنسدان ان دونوں کی اساسی یکسانیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ شاید یہ اُس غیر شعوری مگر وجدانی یقین کی بنا پر ہے کہ کائنات کو بالآخر ایک ہی حقیقت ہونا چاہیے۔ وہ یا تو یہ کہتے رہے ہیں کہ ذہن درحقیقت مادّے کی ہی ایک شکل ہے' یا یہ کہ مادّہ لازمی طور پر ذہن کی نمود ہے۔ سائنس دان کم از کم انیسویں صدی تک اوّل الذکر نظریہ کے علمبردار رہے۔ لیکن فلسفی عام طور پر کسی نہ کسی شکل میں ثانی الذکر کی صداقت پر اصرار کرتے رہے ہیں۔

انیسویں صدی کے سائنسدانوں کے نزدیک مادّہ ایک مستقل اور حقیقی شے تھا' اور اس لیے اُن کے نزدیک کوئی شے اُس وقت تک حقیقی نہیں ہو سکتی تھی جب تک اُس کے خواص مادّے کی طرح نہ ہوں۔ یعنی جسے دیکھا اور چھوا نہ جا سکتا ہو' یا جس پر تجربہ گاہ میں تجربہ نہ کیا جا سکتا ہو۔ چنانچہ قدرتی طور پر وہ ذہن کو زندہ مادے کا ایک خاصہ سمجھتے تھے اور اس بات کے قائل نہیں تھے کہ ذہن کی طرح کی کوئی شے تخلیقِ کائنات کا سبب ہو سکتی ہے' یا مظاہرِ فطرت سے کوئی واسطہ رکھ سکتی ہے۔ اُن کے نزدیک ذہن ایک خاص قسم کے مادّے کی خاصیت تھی' جس

میں بخت و اتفاق سے ایک خاص کیمیاوی ترکیب پیدا ہوگئی تھی اور جو طبیعیات کے مخصوص قوانین کے تابع تھا۔

قدیم سائنسدانوں میں سے لارڈ کل وِن (Kelvin) (۱۸۲۴۔۱۹۰۷ء) کی فطری ذہانت نے مشاہدۂ کائنات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فطرت ذہن کی صفات سے یکسر محروم نہیں اور یہ کہ کائنات کے اندر ایک تخلیقی اور رہنما قوت عمل پیرا ہے۔ لیکن فلسفہ جو سائنس کے برعکس حقیقت کے جزوی مشاہدہ پر قانع نہیں ہوتا اور تلاشِ حق میں خالص سائنسی طریقے کی قیود سے بہت حد تک آزاد ہے، ہمیشہ اس بات پر مصر رہا ہے کہ کائنات کی وہ مستقل اور مربوط تشریح جس کے لیے انسان اتنا آرزومند ہے، اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک شعور کو نمایاں مقام نہ دے دیا جائے۔ خدا اور کائنات میں شعور نہ صرف قرونِ وسطیٰ کے فلسفے کا موضوع ہے، جس کا مقصد مسیحی تعلیمات کو عقل کی بنیاد پر استوار کرنا تھا، بلکہ عہد حاضر کے عظیم فلسفیوں مثلاً ڈیکارٹ، لیبنز، شوپن ہار، نیٹشے، کانٹ، سپنوزا، ہیگل، فشٹے، کروچے اور برگساں کے نظریات کا بھی موضوع رہا ہے، جو اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ مثلاً خدا، روحِ کائنات، ذاتِ مطلق، تصورِ مطلق، ذہنی عمل، ارادۂ عالم، ذہن ازل، جوہر واحد، نفس، قوتِ محرکۂ حیات وغیرہ۔ تاہم سائنسی مادّیت پر پہلا وزنی اعتراض انگلستان کے بشپ جارج برکلے نے کیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ مادّی دنیا کوئی آزاد وجود نہیں رکھ سکتی، کیونکہ ہمیں اس کا علم صرف ادراک کی بدولت ہوسکتا ہے اور ادراک ایک ذہنی تجربے کا نام ہے۔ اور چونکہ یہ جسمانی دنیا جس کا ہم ادراک کرتے ہیں، ذہن سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتی، لہٰذا جو شے درحقیقت موجود ہے وہ ذہن ہے نہ کہ عالمِ طبعی۔ ہم جس شے کا ادراک کرتے ہیں وہ مادّہ نہیں بلکہ رنگ، شکل، صورت، آواز، صلابت وغیرہ کے چند اوصاف ہیں۔ اور چونکہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اوصاف ہمارے علم کے مطابق وجود رکھیں، اس لیے ہمارے ذہن کو ان کا ادراک کرنا پڑتا ہے۔ ذہن کے بغیر کسی شے کا وجود ممکن نہیں، اس لیے عالمِ طبعی کی اصل حقیقت ذہن یا شعور ہے۔ اپنے اس نظریے کی روشنی میں برکلے ایک ذہن ازل کے وجود کے لیے یوں استدلال کرتا ہے:

> ''افلاک کا تمام سرود خانہ اور زمین کا جملہ ساز و سامان یا مختصراً وہ تمام اجسام جن سے دنیا کا عظیم الشان ڈھانچہ بنا ہوا ہے، ذہن کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جب تک میں ان کا واقعی ادراک نہیں کر لیتا، یا میرے ذہن میں ان کا وجود نہیں اُس وقت تک یا تو سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں، یا وہ کسی روحِ ازل کے ذہن میں وجود رکھتے ہیں۔''

برکلے کی داخلی مثالیت کو موجودہ زمانے میں ''نومثالیت'' کے مکتب فکر کی طرف سے زبردست تقویت حاصل ہوئی ہے، جس کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان دو اطالوی فلسفی بینڈی ٹو کروشے اور گیوفانی گینٹائل ہیں۔ ان دونوں فلسفیوں کے نزدیک یہ کائنات ذہن یا روح کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ان کا فلسفہ نہ صرف جدید ترین ہے بلکہ بہت سے فلسفیوں کے قول کے مطابق فلسفہ جدید کی انتہائی بدیع اور قابلِ ذکر ترقیات میں سے ہے۔ اس فلسفے کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ صرف ذہنی تجربہ ہی ایسی حقیقت ہے جس کا ہمیں یقین ہوسکتا ہے۔ اس سے منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کائنات کی کوئی حقیقت ہے جسے انسانی ذہن معلوم کرسکتا ہے تو وہ ہمارے اپنے ذہنی تجربات کے مماثل ہونی چاہیے۔ اور چونکہ خود شعوری واضح ترین اور اعلیٰ ترین ذہنی تجربہ ہے، اس لیے

کائنات کی حقیقت کو بھی خود شعوری کی طرز کا ہونا چاہیے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' انیسویں صدی کے سائنسدان اس قسم کے خیالات کو قبول نہیں کر سکے' کیونکہ ان سے اُن کے قوانین طبعی کی بنیادیں اُکھڑ جاتی تھیں۔ جب برکلے نے پہلے پہل نیوٹنی طبیعیات کے اولیات پر اعتراض کیا تو سائنسدانوں نے اسے حقارت آمیز استہزاء کا ہدف بنایا' لیکن انہیں اس بات کا علم ہو سکتا تھا کہ اس بحث میں کہ آیا ذہن حقیقی ہے یا مادّہ' فلسفی جلد ہی سائنس دانوں پر فتح پالے گا اور وہ بھی انہی ہتھیاروں سے جنہیں خود سائنس دانوں کے اکتشافات نے مہیا کرنا تھا۔ فلسفیوں نے ہمیشہ کائنات کی روحانی تشریح پر اصرار کیا تھا۔ اگر ان کے اس نظریے کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا تو اس کی سب سے بڑی وجہ سائنس کی رکاوٹ تھی۔ لیکن نظریۂ اضافیت' نظریہ مقادیر برقیات اور حیاتیات کے بعض حقائق کے اکتشافات کی بدولت اب یہ رکاوٹ دور ہو گئی ہے' اور سائنس کا معبود مادّیت' خود سائنس کے گرز سے پاش پاش ہو گیا ہے۔ طبیعیات کے اکتشافات نے مادّے کو جو کبھی ایک واضح' سادہ اور بسیط حقیقت تھا اور اس کے ساتھ توانائی' حرکت' زمان' مکان اور اثیر کو عدم مطلق میں تبدیل کر دیا ہے۔ ڈاکٹر جوڈ کے الفاظ میں ''جدید مادّہ ایک انتہائی لطیف اور نا قابلِ گرفت شے ہے۔ یہ زمان و مکان کا نمایاں مظہر' ایک برقی پیداوار یا امکان کی ایک موج ہے جو عدم سے اٹھ رہی ہے۔ اکثر اوقات یہ سرے سے مادّہ ہی نہیں بلکہ ادراک کرنے والے کے شعور کا سایہ ہوتا ہے۔''

پروفیسر روجر نظریۂ اضافیت کے مضمرات پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فلسفہ اور جدید طبیعیات'' میں لکھتا ہے:

> ''مادّہ برقیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بذاتِ خود اثیری لہروں میں گم ہو جاتے ہیں اور اس طرح مادّے کا قطعی نقصان اور توانائی کا ناقابل تلافی زیاں واقع ہو جاتا ہے۔ عدم تغیر کے ہمہ گیر اصول کی بجائے جسے یونان کے طبیعی فلسفیوں نے اپنے طبیعی فلسفے کی بنیاد قرار دیا ہوا تھا اور جو'' کچھ پیدا نہیں ہوتا اور کچھ ضائع نہیں ہوتا'' کے الفاظ سے بآسانی سمجھ میں آ جاتا تھا۔ اب یہ اصول ہونا چاہیے کہ'' کچھ پیدا نہیں ہوتا اور سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے''۔ دنیا ایک آخری بربادی کی طرف رواں دواں ہے اور وہ کرۂ اثیر جس کے متعلق بے سود اڈعا کیا جاتا تھا کہ وہ جہانوں کا بطن ہے دراصل ان کا آخری مرقد ثابت ہوا ہے۔''

ڈاکٹر ہیری شمٹ اپنی کتاب ''اضافیت اور کائنات'' میں نظریۂ اضافیت کی روشنی میں کائنات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حزن و یاس کی تصویر نظر آتا ہے۔ وہ لکھتا ہے ''زمان و مکان بے حقیقت بن گئے' حرکت بذاتِ خود بے معنی ہو گئی' اجسام کی صورت نقطۂ نظر کا معاملہ بن گئی اور لفظ اثیر ہمیشہ کے لیے متروک ہو گیا۔

حیف صد حیف کہ اک ضربتِ کاری سے ہوئی — کتنی برباد و تبہ حال یہ دنیائے حسیں
الاماں حضرتِ انساں کے جنوں کا عالم — چاک در چاک ہے فطرت کی قبائے رنگیں
اپنی اجڑی ہوئی دنیا کے پریشاں اجزا — آج کر کر کے بہم نذرِ فنا کرتے ہیں
حُسنِ رفتہ کی دلِ زار میں یادیں لے کر — کتنے سادہ ہیں کہ فریاد و بُکا کرتے ہیں

لیکن اگر مادّہ حقیقی اور دائمی نہیں تو پھر بے جان مادّے کے نعم البدل کے لیے حقائق ''ایک برتر ذات'' کے

وجود کا پتا دیتے ہیں جو زندہ و پائندہ خالق ہے' کیونکہ اگر وہ نہ ہو تو پھر مخلوقات کے اس گوناگوں تنوع کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے' جس میں حسن' فن' تدبیر' مقصد' ہم آہنگی اور صحیح ریاضیاتی فکر موجود ہے۔ یقیناً یہ شعور کی صفات ہیں جسے کائنات کی واحد حقیقت ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مادّے کے کالعدم ہونے سے نہ صرف دنیا کی روحانی تشریح کے لیے رستہ صاف ہو گیا ہے بلکہ ایسا ہونا ناگزیر ہو گیا ہے۔ آج کائنات کی مابعد الطبیعیاتی حقیقت کا ماننا کم از کم اتنا ہی ناگزیر ہے جتنا کہ انیسویں صدی میں یہ ماننا کہ کائنات مادّے کے سوا اور کچھ نہیں۔ فلسفے نے بالعموم اپنی تمام تاریخ کے دوران میں سائنس سے الگ بلکہ اس کے علی الرغم کائنات کی روحانی تشریح پر زور دیا تھا۔ یہ تشریح پہلے ہی مادّی تشریح سے کم یقین افروز نہ تھی' اور اب تو سائنس بھی اس کی حمایت میں قوی شہادت لے کر آ گئی ہے۔ چونکہ مادّہ غیر حقیقی ثابت ہو چکا ہے اس لیے طبیعیات داں محسوس کرتے ہیں کہ وہ محض اقلیم مادّہ کے اندر محصور رہتے ہوئے طبیعیات کے مسائل حل نہیں کر سکتے۔ وہ حق کی تلاش میں مادّی دنیا سے ماوراء جانے کے لیے مجبور ہیں' کیونکہ وہیں انہیں مادّہ کی حقیقت کا راز افشاء ہونے کی امید ہے۔ چنانچہ اب ان کی ایک معقول تعداد انگلستان اور یورپ میں نظر آتی ہے۔ مثلاً ایڈنگٹن' جینز' وائٹ ہیڈ' آئن سٹائن' شروڈنجر' اور پلینک ہمیں روحانی نقطۂ نگاہ سے اس مادّی دنیا کی تشریح کرنے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ طبیعی سے وہ مابعد الطبیعی بن گئے ہیں۔ ان تمام سائنس دانوں کا استدلال اس دعویٰ کی تصدیق کرتا نظر آتا ہے کہ کائنات کی حقیقت شعور کی ایک شکل ہے۔ پروفیسر پلینک جس نے نظریہ مقادیر برقیات پیش کیا ہے' جے ڈبلیو این سلی ون سے ایک ملاقات میں' جس کا حال ''آبزرور'' ۲۶/ جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا' یوں کہا:

> ''میں شعور کو اصل سمجھتا ہوں اور مادّے کو شعور کی فرع' ہم شعور سے پرے نہیں جا سکتے۔ ہر شے جس کا ہم ذکر کرتے ہیں اور ہر شے جسے ہم موجود مانتے ہیں شعور کی محتاج ہے۔''(۱)

سر الیور لاج لکھتا ہے:

> ''کائنات ذہن کی تابع ہے اور خواہ یہ ذہن کسی ریاضی دان کا ہو یا کسی فنکار کا' کسی شاعر کا یا سب کا' یہی ایک واحد حقیقت ہے جو وجود کو معنویت بخشتی ہے' ہماری روزمرہ زندگی کی تزئین کرتی ہے' ہماری اُمید بندھاتی ہے' اور جب ہم ناکام ہو جاتے ہیں تو ہمیں قوتِ ایمان بخشتی ہے اور پوری کائنات کو لازوال محبت کے نور سے منور کر دیتی ہے۔''

سر جیمز جینز استدلال کرتا ہے کہ تمام مادّہ ریاضیاتی نسبتوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے' جس طرح اجرامِ فلکی کے نظاموں میں ریاضی کا دخل ہے' اسی طرح ایک ذرے کی ساخت میں بھی ریاضی کا حصہ ہے۔ کائنات کے بعید ترین اجزاء اور اس کی نزدیک ترین مادّی اشیاء پوری طرح قوانین ریاضی کی پابند ہیں۔ لیکن ریاضی کے متعلق ہمارا تمام حاصل کردہ علم ایک منطقی استدلال کا نتیجہ ہے جسے فطرت سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب ان قوانین ریاضی کو اپنی ذہنی تخلیق کی حیثیت سے مرتب کرنے کے بعد اپنی استدلالی قوتوں کی رہنمائی میں ہم اس عالمِ طبیعی کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ عالمِ طبیعی نہ صرف ہمارے مرتب کردہ قوانین کے مطابق ہے بلکہ

(۱) منقول از Guide to Modern Thought مصنفہ سی ای ایم جوڈ

اس کا فطری ماحصل بھی یہی قوانین ہیں ۔ چونکہ مادّہ غیر حقیقی ہے اس لیے اس مادّی کائنات کا حاصل بالآخر سوائے ان قوانین ریاضی کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہمارے لیے ان قوانین کو خود بخود دریافت کر لینا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے اور پھر یہ قوانین اس کائنات کی تعمیر و تشکیل میں کس طرح شریک ہو سکتے ہیں' تا آنکہ یہ ایک حقیقت نہ ہو کہ یہ مادّی دنیا کسی ایسے ذہن کی تخلیق ہے جو ہمارے اپنے ذہن کی طرح ہے اور جو ہماری طرح ٹھیک ٹھیک اور ریاضیاتی انداز میں سوچنے کے قابل ہے۔

سر جیمز جینز اپنی کتاب ''کائناتِ اسرار''(۱) میں لکھتا ہے:

''کائنات کسی مادّی تعبیر و تشریح کی متحمل نہیں ہوسکتی اور میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اب یہ محض ذہنی تصویر بن گئی ہے..... تیس سال پہلے ہم یہ تصور کرتے تھے کہ ہم ایک میکانی نوعیت کی حقیقت اولیٰ کی طرف بڑھ رہے ہیں..... آج بہت حد تک ہم اس بات کو ماننے لگے ہیں اور سائنس کا شعبۂ طبیعی تو اس بات پر تقریباً متفق ہے کہ یہ جوئے علم ایک غیر میکانی حقیقت کی طرف رواں دواں ہے۔ کائنات ایک بہت بڑی مشین کی بجائے ایک عظیم الشان فکر کی طرح نظر آنے لگی ہے اور ذہن اقلیم مادّہ میں اب کوئی اتفاقی طور پر دخل انداز ہونے والا عنصر معلوم نہیں ہوتا۔ اب ہم یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ ہمیں اس کا خیر مقدم اس طرح کرنا چاہیے گویا یہ اس اقلیم مادّہ کا ضامن یا حاکم ہے۔ بے شک یہ مرتبہ ہمارے انفرادی اذہان کا نہیں' بلکہ اُس ذہن کا ہے جس میں ہمارے ذہنوں کو نشو و نما دینے والے ذرات خیالات کی شکل میں موجود ہیں۔ نیا علم ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنے ان پہلے عاجلانہ تاثرات پر نظر ثانی کریں کہ ہم ایک ایسی دنیا میں آ پھنسے ہیں جسے یا تو زندگی سے کوئی تعلق نہیں' یا جو زندگی کی شدید مخالف ہے۔ ذہن اور مادّہ کی پرانی ثنویت جو اس فرضی مخالفت کی اکثر و بیشتر ذمہ دار تھی' غائب ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اب مادّہ کسی طرح پہلے کی نسبت زیادہ غیر حقیقی اور موہوم ہو گیا ہے' یا ذہن مادّے کے عمل میں تحلیل ہو گیا ہے' بلکہ اس لیے کہ حقیقی مادّہ ذہن کی تخلیق و نمو میں تحلیل ہو گیا ہے۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ کائنات میں ایک مدبر اور منظّم قوت کے نشانات موجود ہیں جو ہمارے انفرادی اَذہان کے ساتھ کچھ نہ کچھ وجہ اشتراک رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہم نے اس میں جذبات' اَخلاق یا ذوقِ جمالیات کا پتا چلا لیا ہے بلکہ اس میں وہ رجحانِ فکر پایا جاتا ہے جسے ہم کسی بہتر لفظ کے نہ ملنے کی وجہ سے ''ریاضیاتی'' کے لفظ سے ادا کرتے ہیں۔ اس میں جہاں بہت کچھ زندگی کے مادّی مشمولات کے مخالف ہوسکتا ہے' وہاں بہت کچھ زندگی کی بنیادی سرگرمیوں کے موافق بھی ہے۔ ہم اس کائنات میں اتنے اجنبی اور دخل در معقولات دینے والے نہیں جس قدر کہ ہم شروع میں کہتے تھے۔ ابتدائی دور کے مٹی اور پانی کے ملغوبے کے وہ غیر متحرک ذرات ہیں جن میں پہلے پہل زندگی کے نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے' کائنات کی بنیادی فطرت سے کم نہیں' بلکہ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو رہے تھے۔''

مثالی اور نو مثالی فلسفیوں کے نظریات اور جدید طبیعیات کی شہادت سے قطع نظر جو دنیا کی روحانی تعبیر و تشریح کی زبردست حمایت میں ہے' حیاتیات کے بھی بعض ایسے حقائق ہیں جو انہی نتائج کی طرف دلالت کرتے ہیں اور جن کی بنا پر کئی باقاعدہ فلسفے مدوّن ہو چکے ہیں۔ ان فلسفیانہ نظریات میں ایک نظریہ تخلیقی ارتقاء کا

(۱) The Mysterious Universe.

ہے' جسے فرانسیسی پروفیسر ہنری برگساں نے پیش کیا ہے۔ مادّہ پرستوں کا عقیدہ ہے کہ زندگی ایک خاص قسم کے مادّے کی خاصیت کے سوا کچھ بھی نہیں جس میں ایک خاص کیمیائی ترکیب پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے جو عضویہ وجود میں آتا ہے وہ اپنے ماحول سے ایک حساس مشین کی طرح متاثر ہوتا ہے اور نتیجتاً اس کی جسمانی ساخت میں ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ نئے نئے ماحول کے سبب جس سے عضویہ کو دوچار ہونا پڑتا ہے یہ تبدیلی بڑھتی چلی جاتی ہے' اور اس طرح نئی نئی انواع کا ظہور ہوتا رہتا ہے' لیکن علمِ حیاتیات کے حالیہ اکتشافات اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتے۔

پروفیسر جے بی ایس ہالڈین کے بقول اب حیاتیات کے ذہین طالب علم اس نظریے کے قائل نہیں رہے کہ زندگی محض مادّے کی ایک متعین کیمیائی ترکیب کا نام ہے۔ خصوصاً جرمن حیاتیات دان دریش کے تجربات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ماحول کے خارجی حالات سے متاثر ہونے میں ایک زندہ عضویہ ایک مشین سے قطعاً مختلف ہوتا ہے۔ مشین کو باہر سے قابو میں رکھا جاتا ہے اور یہ چند پرزوں کے مجموعے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے برعکس ایک عضویہ جسم کی ایک خاص ہیئت اختیار کرنے اور پھر اسے قائم رکھنے کے لیے داخلی طور پر کوشش کرتا ہے۔ یہ عضویہ مجموعی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے داخلی طور پر سرگرم عمل ہوتا ہے۔ اگر کسی کیکڑے کی ٹانگ کاٹ دی جائے تو اس کی بجائے ایک اور ٹانگ پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی مشین بھی اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ٹوٹے ہوئے پرزوں کو خود بخود تبدیل کر لیا کرے۔ دریش نے ایک جنین کو جبکہ وہ ابھی نشوونما کی ابتدائی منازل میں تھا' یعنی ابھی اس کے نسیج لچک دار تھے اور اس کے خلیوں کا قطعی تعین نہیں ہوا تھا' لے کر دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا اور دیکھا کہ ایک ہی حصہ نشوونما پا کر مکمل جانور بن گیا ہے۔ کُل کو جُز سے کوئی بھی نسبت ہو' یا کہیں سے بھی کاٹا جائے نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ ایک منفرد جنین میں جس خلیے نے سر بننا تھا وہ اس طرح ٹانگ بن گیا ہو۔ درحقیقت جنین کا کوئی حصہ سالم عضویے کی ضروریات کے مطابق کسی عضو کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک جز کے لیے اپنے کل کے خواص پیدا کرنا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے؟ جینی نسیج کی نشوونما پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر سُوسمارِ آبی کی دُم کاٹ دی جائے تو اس جگہ ایک اور دُم پیدا ہو جاتی ہے اور اگر دم کو کافی ابتدائی منزل پر ہی کاٹ لیا جائے اور اسے تازہ کٹی ہوئی ٹانگ کے ٹُنڈ پر پیوند کر دیا جائے تو دم نشوونما پا کر ٹانگ بن جاتی ہے' دُم نہیں بنتی۔

کائنات کی طبیعی اقسام کی اصطلاحات میں ایسے حقائق کی کوئی توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ دریش نے جنین کی نشوونما کو اس مفروضہ پر ثابت کرنے کی کوشش کو ترک کر دیا کہ زندگی طبیعیات اور کیمیا کے چند متعین قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے۔ چونکہ زندگی کے طریقہ ہائے عمل کی نئی قسم بندی ضروری تھی اس لیے اس نے نظریہ طبیعی کیمیائی کو ''نظریہ روحِ حیوانی'' میں بدل دیا۔ دریش اس نتیجے پر پہنچا کہ عضویہ کو ایک بے ساختہ انگزیش اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ مناسب شکل اختیار کرے اور مناسب فرائض انجام دے۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ عضویہ کے اندر ایک داخلی منضبط اصول کارفرما ہے جو اسے کل کے مفادات کے مطابق بناتا اور ڈھالتا ہے اور ان مفادات کی خاطر اس کے مقاصد میں ردّوبدل کرتا رہتا ہے۔ یہ منضبط اصول یقیناً زندگی کی نشوونما اور اس

کے ارتقاء سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ برگساں اسے قوتِ محرکۂ حیات کے نام سے پکارتا ہے اور اسے اور شعور کو ایک سمجھتا ہے۔

زندگی کا مطالعہ چند اور حقائق کا بھی انکشاف کرتا ہے جو دریش کے نتائج کی تائید کرتے ہیں۔ یہ حقائق برگساں نے اپنی کتاب ''تخلیقی ارتقاء''(۱) میں یہ ظاہر کرنے کے لیے پیش کیے ہیں کہ دافعی قوتِ زندگی' حیوانی زندگی کے اوّلین ظہور' اس کی افزائش اور اس کے اعلیٰ سے اعلیٰ تر شکل میں ارتقاء کا باعث ہے۔ لامارک نے ارتقائے زندگی کو اس حقیقت کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ جاندار اپنے ماحول کے حالات سے سازگاری پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ سازگاری حیوان کے جسم میں معمولی سی تبدیلی پیدا کر دیتی ہے جو اولاد کو ورثہ میں منتقل ہو جاتی ہے' اور چونکہ اولاد کو خود بھی سازگاری کی ضرورت رہتی ہے' اس لیے اس میں مزید تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں' اس طرح بتدریج تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری ایک نئی نوع ظہور میں آ جاتی ہے۔

ایک لحاظ سے یہ تشریح دورِ جدید کے اس مسلّمہ امر کے متضاد ہے کہ تبدیلیاں کسی مجموعی اثر کی وجہ سے ہی نہیں ہوتیں بلکہ اچانک بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ بات اس وقت تک ناممکن ہے جب تک خود کسی عضویہ کے اندر کوئی شعوری یا غیر شعوری تحریک کوئی اچانک تبدیلی یا ترقی پیدا نہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ ماحول کے حالات سے سازگاری کی ضرورت تو ایک ایسی دلیل ہے جو ارتقائے زندگی کے تسلسل پر روشنی نہیں ڈالتی بلکہ یہ ثابت کرتی ہے کہ زندگی کا ارتقاء رک جانا چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی جاندار اپنے ماحول سے اتنی سازگاری پیدا کر لے جو اس کی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو تو اسے مزید بدلنے یا ارتقاء کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ سازگاری جہاں تک تحفظِ ذات کی ضرورت پر مبنی ہے' زندگی کے جمود کی تو توجیہہ پیش کر سکتی ہے لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ تر تنظیم کی صورتوں کی طرف ارتقاء کو بیان نہیں کر سکتی۔

برگساں کہتا ہے: ''ایک نہایت ادنیٰ عضویہ بھی حالاتِ زندگی سے اتنا ہی سازگار ہوتا ہے جتنا کہ ہم' کیونکہ وہ بھی زندہ رہنے میں کامیاب ہے۔ ان حالات میں زندگی جو سازگاری پیدا کر سکتی ہے' اپنے آپ کو کیوں زیادہ سے زیادہ خطرناک طور پر الجھاتی چلی جاتی ہے؟ آج ہمیں کئی ایسی جاندار چیزیں ملتی ہیں جو طبقاتِ ارض کے اوّلین دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ زندگی کسی ایک متعین شکل پر رک جاتی؟ اگر ایسا ممکن تھا تو یہ کیوں نہیں رکی؟ آخر یہ کیوں رواں دواں رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی قوت اسے اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقصد کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ قبول کرنے کے لیے مجبور کر رہی ہے۔

ایسے حقائق اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ شعور مادّے کا مرہونِ منت نہیں بلکہ اپنا ایک آزاد وجود رکھتا ہے۔ یہ خود بنیادی ہے اور مادّے کے خواص سے ماخوذ نہیں۔ اگر شعور بذاتِ خود ایک حقیقت ہے تو یہ اس نتیجہ کی طرف محض ایک قدم ہے کہ کائنات کی واحد حقیقت یہی ہے اور مادّہ خود اس سے ماخوذ ہے۔ مادّہ جو عضویاتی زندگی سے کمتر نہیں' ہزاروں سالوں کے دوران میں ارتقاء پذیر ہوا ہے۔ وہ داخلی انگیزش جو عضویاتی زندگی کے قیام و ارتقاء کا باعث ہے یقیناً مادّے کے ارتقاء کا باعث بھی ہے۔ چنانچہ مادّہ بھی شعور کی ہی ایک شکل ہے۔

(۱) Creative Evolution.

جدید طبیعیات کے اکتشافات نمایاں طور پر اس نتیجہ کی تائید میں ہیں۔

شعور کے کیا اوصاف ہیں؟ شعور کے اوصاف خواہ کچھ ہوں' یقیناً ان کا اظہار تخلیق میں ہوا ہے اور ہم اپنے اردگرد کائنات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کا استنباط کر سکتے ہیں۔ مخلوق کی اعلیٰ ترین شکل جس میں شعور نے خود نمائی کی ہے انسان ہے۔ چنانچہ ہم اس سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ بنی نوع انسان کے اوصاف جبکہ وہ بہترین اور انتہائی ارتقاء کے عالم میں ہو شعور کے اوصاف کے قریب تر ہونے چاہئیں' لیکن اس بین فرق کے ساتھ کہ شعور کے اوصاف بھی ارفع و اعلیٰ کمال کے حامل ہوں۔ اس نکتہ کی تشریح ہم آئندہ کسی باب میں کریں گے۔

سر جیمز جینز ایک محتاط سائنس دان کی طرح ذہن کائنات کا صرف ایک وصف تسلیم کرتا ہے' یعنی ذہانت اور ریاضیاتی فکر۔ صرف یہی ایک وصف ہے جسے سائنس اور ریاضی کی رو سے ثابت کیا جا سکتا تھا اور کیا جا چکا ہے۔ لیکن قدرتی طور پر اگر کسی ذات کو شعور کی ایک صفت سے متّصف کر دیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق شعور جن اوصاف سے متّصف ہے وہ تمام اوصاف اس ذات میں بھی ہونے چاہئیں۔ سر جیمز جینز یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ذہن کائنات بھی ریاضیاتی فکر کے لحاظ سے ہمارے ہی ذہن کی طرح ہے' لیکن کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اوصاف میں بھی یہ ہمارے ذہن کی طرح نہ ہو۔ ہمارا تجربہ شاہد ہے کہ ہم نے کسی ذہن میں ریاضیاتی فکر کو اخلاقی اوصاف سے الگ نہیں پایا۔ اعلیٰ ترین ذہانت شعور کی اعلیٰ ترین شکل یعنی خود شعوری کو ظاہر کرتی ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے' اخلاقی اوصاف اور خود بینی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لہٰذا محض ریاضیاتی فکر کے وصف کو شعور نہیں کہا جا سکتا۔ شعور دراصل خود شعوری ہی کا دوسرا نام ہے۔ اسی خود آگاہی سے انفرادیت اور خودی اجاگر ہوتی ہے۔ طاقت' صداقت' نیکی اور محبت کے اوصاف سے اسے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ذہن کائنات اور انسانی ذہن کی بنیادی یکسانیت کے باعث ہماری فطرت تقاضا کرتی ہے کہ ہم ان اوصاف کو اپنائیں' اور ان اوصاف سے لگاؤ کی وجہ سے ہم انہیں لفظ جمال کا نام دے سکتے ہیں۔

آئندہ ابواب میں ہم شعور کے اوصاف اور فطرت کو مفصّل بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نفس ذات کے لیے حیات' شعور' خود شعوری اور خودی کے الفاظ استعمال کریں گے جن سے تشریح ذات میں مدد لی جائے گی۔ اور ہماری نظر میں کائنات کی یہی اصل حقیقت ہے۔ ❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 25 روپے

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ

محمد انس حسان ☆

''مآخذ'' سے وہ ذرائع مراد ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں۔ قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ماخذ صوری: قانون کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعے وہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔

(۲) ماخذ مادی: قانون کا وہ ماخذ ہے جس سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔[۱]

اصولِ فقہ کی کتب میں عمومی طور پر فقہ اسلامی کے مآخذ چار بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس

صاحبِ 'نور الانوار' کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ تین ہیں:

الکتاب والسنة واجماع الامة [۲]

''کتاب (یعنی قرآن حکیم)' سنت اور امت کا اجماع (فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ ہیں)۔''

نیز وہ قیاس کو ماخذ تو سمجھتے ہیں لیکن اس کو الگ ذکر کرتے ہیں اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں اس کا شمار نہیں کرتے۔

مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ کے نزدیک فقہ اسلامی کے مادی مآخذ عمومی حیثیت سے بارہ ہیں:

(۱) قرآن حکیم (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) استحسان (۶) استدلال
(۷) استصلاح (۸) مسلمہ شخصیتوں کی آراء (۹) تعامل (۱۰) عرف اور رسم ورواج
(۱۱) ماقبل کی شریعت (۱۲) ملکی قانون

مولانا کے نزدیک اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مآخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر و توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان' استصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ اجماع میں تعامل و رسم و رواج داخل ہیں۔ ماقبل کی شریعت قرآن یا حدیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قانون تعامل میں شمار ہو سکتا ہے۔ آراء اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار قیاس میں ہوگا ورنہ وہ سماع پر محمول حدیث کے ذیل میں آجائیں گی۔ استدلال بھی قیاس کے قریب ہے۔[۳]

ذیل میں فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

☆ استاد جامعہ قاسم العلوم' ملتان

قرآن مجید: فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ

قرآن مجید فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے۔ چونکہ یہ سلسلۂ ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے اس لیے اس کی جملہ تعلیمات وتفہیمات کا ہر زمانہ میں یکسانیت کے ساتھ پایا جانا لازمی تھا' اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے حدود اربعہ بنا کر اس کے خطوط متعیّن کر دیے جائیں۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع ومانع ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح احکام موجود ہیں' لیکن ان احکامات کی حیثیت اصول کی ہے۔ قرآن نے ایسا نہیں کیا کہ ابتدا ہی سے احکامات سے متعلق تمام جزئیات بیان کر دی ہوں' بلکہ اس میں تدریج کا طریقہ بروئے کار لایا گیا۔ اس حوالے سے مولانا محمد تقی امینی کا تجزیہ یہ ہے کہ اگر بالفرض ابتدا ہی میں ساری جزئیات بیان کر دی جاتیں اور عملی شکل کے سارے خاکے تیار کر دیے جاتے تو ایک تو اس کی دستوری پوزیشن باقی نہ رہتی' دوسری بڑی بات یہ ہوتی کہ اس کی دوامی اور عالمگیر حیثیت ختم ہو کر ساری تعلیم مخصّص زمانہ تک محدود ہو جاتی اور پھر اس میں جمود وتعطل پیدا ہو کر ارتقا پذیر معاشرے کو سمونے اور اقتضاء ومصالح کو جذب کرنے کی ساری صلاحیت ختم ہو جاتی۔(۴)

مثال کے طور پر قرآن مجید نے اس بات کی تو وضاحت کی ہے کہ حکومت اللہ کی نیابت وامانت ہوگی اور ہر مسلمان کے لیے شورائی بنیاد پر عدل وانصاف کے نظام کے قیام کو ممکن بنانا لازم ہوگا' لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ یہ نظام کس نوعیت کا ہوگا اور اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی؟ اسی طرح قرآن مجید نے ہر حرام اور حلال چیز کا فرداً فرداً ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حیاتِ انسانی سے متعلق ہر جزوی معاملہ کو موضوعِ بحث بنایا' بلکہ اصول متعیّن کر دیے۔ اب ان متعین اصولوں سے مطلوبہ نتائج اخذ کرنا اور ان کی علت تلاش کر کے حالات وزمانہ کے مطابق ان کی عملی تطبیق پیش کرنا اہلِ علم پر چھوڑ دیا۔ مولانا اس حوالے سے اپنی ذاتی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اس بارے میں فقہاء وصلحائے امت نے جزئیات کی تفاصیل بتا کر جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ سب اپنے اپنے زمانہ کے حالات کی مناسبت سے تھے اور آج بھی ہمیں حق ہے کہ ان جزئیات کی روشنی میں مقصد اور اصول کے پیش نظر اپنے زمانہ کے حالات وتقاضا کے مناسب طریقہ کار کی جزئیات مرتب کریں۔ اس مرتب شدہ جزئیات کی حیثیت بھی پہلی جزئیات کی طرح قطعی اور دوامی نہ ہوگی بلکہ معاشرہ کی حالت پر موقوف ہوگی اور اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک معاشرہ اجازت دے گا۔''(۵)

فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حالات وزمانہ کے مطابق فقہی جزئیات میں تبدیلی اور اس کی ضرورت پر بڑی جامع بحث فرمائی ہے۔ ذیل میں علامہ شامیؒ کی اسی کتاب سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

> ''جاننا چاہیے کہ مسائل فقہ یا صریح نص سے ثابت ہوں گے (ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل میں بیان کیا ہے) یا اجتہاد اور رائے سے ثابت ہوں گے۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مجتہد نے اپنے زمانہ کے رواج کے موافق قائم کیا تھا۔ اس طرح کہ اگر وہ (دینی مجتہد) آج کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا۔ اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں نے اس کو بھی شامل کیا ہے کہ مجتہد

لوگوں کے رسم ورواج سے واقفیت رکھتا ہو' کیونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں' بوجہ اس کے کہ رواج بدل گیا یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی یا زمانہ کے لوگ بدروش ہوگئے۔ اس صورت میں اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر پہنچے۔ اور شریعت کے ان قواعد کی مخالفت زمانہ کے حالات کے موافق تھی' کیونکہ مشائخ کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انہوں نے کہا۔''(۶)

بہرحال ان فقہی احکامات کی جزئیات مرتب کرنے اور جدید مسائل کی عصری تطبیق کے حوالے سے فقہ اسلامی کے پہلے ماخذ یعنی قرآنِ کریم نے سات چیزوں کو اپنا فقہی اصول قرار دیا ہے جن سے رہنمائی حاصل کر کے قرآنی منشا کے مطابق ہر دور کے شرعی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ سات اصول درج ذیل ہیں:

(۱) عدمِ حرج (۲) قلتِ تکلیف (۳) تدریج (۴) نسخ (۵) شانِ نزول
(۶) حکمت وعلت (۷) عرب کی معاشرتی حالت

اگر عمومی طور پر قرآنِ کریم کا جائزہ لیا جائے تو اس میں امتِ اسلامیہ کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے درج ذیل احکامات کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

(۱) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جس میں ناقابلِ برداشت مشقت ہو۔
(۲) لوگوں کی رغبت اور میلان کے پیش نظر بعض ایسے احکام مقرر ہوئے جنہیں قومی عید کے طور پر منایا جائے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
(۳) طاعات کی ادائیگی میں طبعی رغبت اور میلان کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام محرکات ودواعی کی اجازت دی گئی جو اس میں مددگار ثابت ہوں' بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔
(۴) طبعی طور پر جن چیزوں سے قباحت ہوتی ہے یا طبیعت بار محسوس کرتی ہے اس کو ناپسند کیا گیا۔
(۵) حق واستقامت پر قائم رہنے کے لیے تعلیم وتعلّم' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دوامی شکل دی گئی کہ طبیعت کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی ہے۔
(۶) بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کیے گئے' تاکہ انسان اپنی سہولت کے پیشِ نظر جس کو چاہے اختیار کرے۔
(۷) بعض احکام میں رسول اللہ ﷺ کے دو مختلف قسم کے عمل مذکور ہوئے اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی۔
(۸) بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقاء کو ملحوظ رکھا گیا' یعنی نہ ایک ہی وقت میں سارے احکام مسلّط کیے گئے اور نہ ہی ساری برائیوں سے روکا گیا۔

(۹) تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی رعایت کی گئی۔
(۱۰) نیکی کے بہت سے کاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی۔ اس کو انسانوں کی سمجھ پر نہیں چھوڑا گیا' ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔

(۱۱) بعض احکام کے نفاذ میں حالات ومصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص ومزاج کی۔(۷)

چنانچہ قرآنِ کریم جو کہ فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے' اس سے ہمیں مندرجہ بالا اصولوں سے کافی رہنمائی ملتی ہے۔

سُنّت: فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ

فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔ سنت کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ عمل کے ہیں۔ اصطلاح میں لفظ سنت رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا میں حدیث اور سنت کو الگ الگ سمجھا جاتا تھا' لیکن بعد میں اس میں یہ جزوی تبدیلی کی گئی کہ حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے جملہ اقوال' افعال اور دوسروں کے وہ اقوال وافعال جن پر رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا مراد لیا گیا' جبکہ سنت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال کو بھی داخل کیا گیا۔ اس بنیاد پر صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی سنت میں داخل ہیں' جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔

السنة تطلق على قول الرسول ﷺ وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم (۸)

''سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور سکوت پر نیز صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال پر ہوتا ہے۔''

صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

''سنت کا لفظ آنحضور ﷺ کے اقوال وافعال نیز طریقِ رسول وصحابہ کو شامل ہے۔''(۹)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق:

''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھتی ہے وہ حدیث ہے اور علمِ حدیث میں شامل ہے۔''(۱۰)

فقہ اسلامی کو سمجھنے اور مسائلِ حاضرہ کے استخراج کے حوالے سے سنت کو بنیادی ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ علماء وفقہاء نے تدوین فقہ کے حوالے سے سنت کی درج ذیل معلومات کا ہونا ضروری قرار دیا ہے:

(۱) ناسخ ومنسوخ (۲) مجمل ومفسّر (۳) خاص وعام (۴) محکم ومتشابہ (۵) احکامات کے درجے اور مراتب (۶) قرآن سے استدلال (۷) درایت وروایتِ حدیث کا علم

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ سنت کے اس حصے کے متعلق' جس کا تعلق عام واقعات ومواعظ سے ہے' لکھتے ہیں:

''عام فقہاء کے خیال میں (کذا) قانون سازی کے لیے اس سے واقفیت ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اجتماعی زندگی کو سمجھنے اور اس حیثیت سے قانون کا مقام متعین کرنے' نیز قانون کو مؤثر بنانے میں اس سے بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر کے قانون کی تدوین عمل میں لائی جائے تو اس میں خشکی اور کرختگی ہوگی اور جذب ومحبت کا عنصر کم ہو جائے گا جو اسلامی قانون کی جان ہے۔''(۱۱)

اسی طرح سنت کی تشریحی وتوضیحی حیثیت کی مختلف صورتوں کے حوالے سے مولانا امینی کا حاصلِ مطالعہ درج ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم میں جو آیات مجمل تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی۔

(۲) جو مطلق تھیں' موقع اور عمل کے لحاظ سے انہیں مقید فرمایا۔

(۳) جو مشکل تھیں ان کی تفسیر بیان فرمائی۔
(۴) جو قرآنی احکام مجمل تھے یعنی ان کے عمل کی کیفیت' اسباب وشرائط اور لوازم وغیرہ کی تفصیل نہ تھی' رسول اللہ ﷺ نے ان کی تفصیل بیان فرمائی' چنانچہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی جو تفصیلات ''سنّت'' میں مذکور ہیں وہ سب قرآنِ حکیم کی شرح اور وضاحت ہیں۔
(۵) قرآنی توضیحات کی روشنی میں بہت سے پیش آمدہ واقعات کا حکم بیان فرمایا' مثلاً حلّت وحرمت کے باب میں جو احکام مذکور تھے ان پر مشتبہ اور مشکوک چیزوں کو قیاس کیا جن کی تصریح قرآن حکیم میں نہ تھی۔
(۶) قرآنی اصول ومقاصد کے پیش نظر وقت اور محل کی مناسبت سے وسائل وذرائع کا حکم بیان فرمایا۔
(۷) قرآنی تصریحات سے ایسے اصول مستنبط فرمائے جن سے نئے حالات ومسائل کو قیاس کرنے کی راہیں کھلیں۔
(۸) قرآنی احکام کے وجوہ واسباب اور حکمت ومصلحت بیان فرمائی جس سے بہت سے اصول وکلیات مستنبط ہوئے۔
(۹) قرآنی ہدایات سے الٰہی حکمت اخذ کی' اس کے مقاصد دریافت فرمائے' پھر اسی کی روشنی میں شریعت کو انسان کی عملی زندگی سے ہم آہنگ بنایا۔
(۱۰) بحیثیت مجموعی زندگی ایسی گزاری کہ قرآنی زندگی کے لیے وہ مکمل تفسیر بنی۔(۱۲)

ایک فقیہ کسی بھی شرعی مسئلہ کے استخراج کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے اور قرآن کی آیاتِ احکام پر' جو کہ ۵۰۰ کے قریب ہیں' نظر دوڑاتا ہے۔ اگر اس مسئلہ کا حل قرآنِ مجید کی کسی آیت سے معلوم نہیں ہوتا تو پھر سنت نبوی ﷺ میں اسے تلاش کرتا ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔ سنت میں فقہی مسائل کے استخراج کی کئی مثالیں موجود ہیں:

(۱) قرآنِ کریم نے نماز' روزہ' زکوٰۃ' صدقات' حج اور اسی نوع کی دیگر عبادات کا حکم دیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآنِ کریم کی مثال text کی ہے اور اس کی شرح سنت سے معلوم ہو سکتی ہے تو اسی لیے ہمیں نماز کی ادائیگی' رکعت' وقت اور اسی طرح دیگر عبادات کی کافی حد تک تشریح سنت سے معلوم ہوگی۔ چنانچہ ان عبادات کی جزئیات تک رسائی سنت کا سہارا لیے بغیر ممکن نہیں۔
(۲) قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:۱۵۷) ''(ہمارے رسول مکرم ﷺ) پاک چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں''۔ اب پاک وناپاک چیزوں کی وضاحت کیسے معلوم ہوگی تو اس کے لیے سنت سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے ہر اس جانور کا گوشت حرام قرار دیا جو شکار کر کے کھاتا ہے تو اس سے حرام جانور کا تعین ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو پرندہ کسی جانور کا شکار کر کے کھائے اسے بھی حرام قرار دیا اور اسی طرح پاک چیزوں کی تعیین بھی کر دی۔
(۳) سنت اگر موجود نہ ہو تو قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کا معنی لغت یا کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں اعتکاف کا تذکرہ آیا ہے' لیکن اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں؟ قرآنِ کریم میں اس طرح کے سینکڑوں احکامات موجود ہیں جن کی تعبیر وتشریح کے لیے سنت کی تعبیر وتشریح

سامنے ہونا از حد ضروری ہے۔

(۴) قرآن کریم میں تیمّم کا ذکر آیا ہے' لیکن اس کی تفصیلات اور دیگر احکام کی فقہی تعبیر کے لیے سنت کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۵) قرآن کریم کا اصول ہے: ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹) ''ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے مت کھاؤ ماسوائے اس صورت میں کہ تمہاری آپس کی باہمی رضامندی سے تجارت اور لین دین ہو''۔ چنانچہ اگر باہم رضامندی سے تجارت یا لین دین ہو تو وہ جائز ہے' لیکن اگر یہی عمل باطل طریقوں سے کیا جائے تو اس کی ممانعت کی گئی۔ اب یہ قرآن کا عام اصول ہے' لیکن اس کا انطباق کیسے ہوگا؟ اور کن کن صورتوں میں ہوگا؟ اس کے حوالے سے بے شمار حدیثوں میں تشریحی نکات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث میں اس بیع سے منع کیا گیا ہے جس میں کوئی ''مال'' بیچنے والے کے قبضے میں نہ ہو' تاکہ فساد سے بچا جا سکے۔[۱۳] چنانچہ اگر کوئی شخص درخت پر لگے کچے پھل کی بیع کرتا ہے یا پانی میں موجود مچھلیوں کی بیع کرتا ہے تو چونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ جتنے میں بیع ہوئی مال اس سے زیادہ یا کم نکلے تو اس صورت میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اسلام نے ایسی بیع کی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ ظاہراً یہ بھی ایک تجارت ہے۔

(۶) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء:۲۳) یعنی ''دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح جائز نہیں ہے''۔ لیکن حدیث نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ پھوپھی اور بھتیجی سے بھی ایک وقت میں نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح بھانجی اور خالہ سے بھی بیک وقت نکاح نہیں ہو سکتا۔

ان تمام مثالوں سے یہ سمجھنا کہ سنت کا کام محض یہی ہے کہ وہ قرآنی احکامات کی تشریح کر دے' درست نہیں۔ بلکہ سنت کا کام براہِ راست احکام دینا بھی ہے اور اس پر عمل کرنا اُمت پر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز و ناجائز کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمیں براہِ راست سنت سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر خیارِ شرط کی نبی کریم ﷺ نے اجازت دی۔ یعنی ایک شخص اگر کوئی چیز خریدتا ہے اور بیچنے والے سے یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر مجھے یہ چیز پسند نہ آئی تو تین دن تک میں اس بیع سے رجوع کر سکتا ہوں۔ اب یہ حکم براہِ راست قرآن کریم میں موجود نہیں' لیکن یہ اسلامی اصولِ بیع کا حصہ ہے اور فقہ حنفی کے مطابق اس پر عمل لازم ہے۔

اسی طرح دیگر بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے سنت کا براہِ راست ماخذِ شریعت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے کئی پیچیدگیوں سے چھٹکارا ملتا ہے اور کئی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

اجماع: فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ

فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے کسی بات پر متفق ہو جانا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ (یونس:۷۱) ''تم اپنی بات طے کر لو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کر لو''۔

فقہاء کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملہ پر اُمتِ اسلامیہ کے اہلِ علم طبقہ کے اتفاق کرنے کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ اصول کی کتابوں میں آتا ہے:

وھو اتفاق اھل الحل والعقد من امة محمد ﷺ علی امر من الامور(۱۴)

''حضرت محمد ﷺ کی امت کے اہلِ حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔''

جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''اتفاق المجتھدین من امة محمد ﷺ بعد وفاته فی عصر من العصور علی حکم شرعی(۱۵)

''رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کر لینے کو اجماع کہتے ہیں۔''

علامہ علی بن محمد الآمدیؒ فرماتے ہیں:

اتفق اکثرالمسلمین علی ان الاجماع حجة شرعیة یجب العمل به علی کل مسلم خلافاً للشیعة والخوارج والنظام من المعتزلة(۱۶)

''اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے' شیعہ' خوارج اور معتزلہ کے برعکس (کہ وہ اس کو نہیں مانتے)۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اجماع کا حجت ہونا ثابت کیا' اس کی تعریف لکھی اور اسے فقہ اسلامی میں معتبر سمجھا(۱۷)۔ امام شافعیؒ اجماع کو حجتِ شرعیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حجتِ شرعیہ صرف اللہ کی کتاب' سنت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ کا اجماع ہے۔ علم کے تین درجات ہیں: کتاب' حدیث نبوی ﷺ اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اجماع' جس کے بارے میں کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔''(۱۸)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجماع کی بڑی جامع اور خوبصورت تعریف بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی نئے پیش آنے والے فقہی اور شرعی نوعیت کے معاملے پر امت کے فقہاء اور مجتہدین تفصیل کے ساتھ آزادانہ یعنی کسی حکومتی' سرکاری یا بیرونی اثر ورسوخ کے بغیر محض دلائل کی روشنی میں غور وفکر کریں اور قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اس کا حل تلاش کریں۔ پھر ان کے آپس کے تبادلہ خیال سے جب وہ متفقہ طور پر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں تو وہ متفقہ نتیجہ اور فیصلہ اجماع کہلائے گا۔''(۱۹)

نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں اجماع کا ثبوت نہیں ملتا' کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ لوگوں میں موجود تھی اور کسی بھی مسئلہ میں آپ ﷺ ہی سے رجوع کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہؒ (۱۹۰۸ء۔۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں:

''عہد نبوی میں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی' اس لیے کہ اگر کوئی سوال پیدا ہوتا تو لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فیصلہ فرما دیتے جو قطعی اور آخری ہوتا تھا۔ آپس میں مشورہ کر کے کسی پر متفق ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔''(۲۰)

لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے محروم ہو جانے کے بعد عہدِ صحابہ میں اجماع کی بنیاد پڑی۔ جس طرح تمام فقہاء کے نزدیک اجماع شریعت میں حجت ہے اور شریعت کا بنیادی ماخذ ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر بھی سب فقہاء کا اتفاق ہے اور تمام اس پر عمل کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال متعدد ہوں تو فقہاء جس قول کو پسند کرتے اختیار کر لیتے۔ لیکن تابعین اور تبع تابعین کے اقوال میں اس اصول کے پابند نہیں تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہر جانے سے روک دیا گیا تھا تاکہ پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور جس پر یہ تمام متفق ہو جائیں اسے اجماعِ امت سمجھا جائے۔ چنانچہ عہد صحابہ میں اجماع کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہے' اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کے نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؟ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری جان اس میں چلی جائے۔[۲۱]

(۲) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینیں فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے انہیں وقف قرار دے دیا اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔[۲۲] اس کی سند یہ تھی کہ زمین ان کے اصل باشندوں کے پاس رکھی جائے اور ان پر خراج عائد کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو آمدنی ہو اور بیت المال مضبوط ہو' جس کے نتیجے میں فوجیوں' سرکاری ملازمین' ضرورت مندوں کے اخراجات کا بندوبست ہو سکے اور دیگر رفاہی کام بھی انجام دیے جا سکیں۔

(۳) واقعہ یمامہ میں قُرّاء کی بڑی تعداد کی شہادت کے بعد اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اگر قراء یونہی شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کرنے پر اصرار کیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کی صورت میں قرآنِ کریم کی تدوین عمل میں آئی۔[۲۳] نیز جمع کرنے کی ترتیب اور اس کے اصول بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ہی طے ہوئے۔

(۴) تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔[۲۴]

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کے حوالے سے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعتماد میں لیا اور باقاعدہ مشاورت سے

اس کا حکم جاری فرمایا[۲۵] یہ بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع کی ایک مثال ہے۔

اجماع کا دین میں حجت ہونا تین امور پر مبنی ہے۔ گویا اجماع کی اساس ان تین امور پر قائم ہے:

(۱) اجماع کی اساسِ اول یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر ؓ عام سیاسی امور میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کرتے اور باہم تبادلہ افکار کرتے تھے۔ جب تمام لوگ ایک بات پر متفق ہو جاتے تو اس کو قانون کا حصہ بناتے اور اگر اختلاف رونما ہوتا تو اکثریت کا ساتھ دیتے۔

(۲) اجماع کی دوسری اساس یہ ہے کہ دورِ اجتہاد میں ہر امام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان سے کوئی ایسا شاذ قول صادر نہ ہو جو ان کے یہاں فقہاء کے خلاف ہو تاکہ اس کے طرزِ فکر کو اجنبی نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ تمام ائمہ اپنے علاقہ کے اجماع کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

(۳) اجماع کی تیسری بنیاد وہ دلائل ہیں جن سے حجیت اجماع ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول: ((اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَةٍ))[۲۶] ''میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول ہے کہ ''فَمَا رَأَی الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ''[۲۷] ''جس بات کے متعلق مسلمانوں کا اتفاق رائے ہو گیا وہ اللہ کے نزدیک بھی خوب ہوگئی۔''

اجماع کی حجیت کے حوالہ سے فقہاء نے اس کی درجہ بندی کی ہے کہ کون سا اجماع کس نوعیت کا ہوگا۔ چنانچہ اسے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ صحابہ کرام ؓ کا اجماع ہے' جو حدیث متواتر اور دلائل قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر تابعین کا اجماع ہے' جو کسی غیر اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہو۔ یہ حدیث مشہور کا درجہ رکھتا ہے۔

(۳) تیسرے درجہ کا اجماع وہ ہے جو کسی اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہوا ہو۔ یہ خبر واحد کی طرح ظنی ہے۔

اجماع کے اختیارات کی وسعت اور باقاعدہ اجماع منعقد ہو جانے کے بعد معاشرتی حالات و واقعات کے مطابق اس میں ترمیم و تنسیخ کے حوالے سے مولانا محمد تقی امینیؒ درج ذیل نکات بیان فرماتے ہیں:

(۱) حالات اور تقاضوں کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو مصلحت کے تابع تھے' ان میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں' معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات' رسم و رواج' خصائل و عادات مخلوط ہیں' ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لیے نئے قالب تیار کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضے اور مصلحت کے تحت ہیں' موجودہ تقاضے اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں' معقول دلیل کی بنا پر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف آراء میں معاملات و تقاضوں کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا' وغیرہ[۲۸]

جہاں تک اجماع کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ اس کا فیصلہ نہایت مستند اور واجب العمل ہے' جیسا کہ صاحبِ توضیح کا یہ قول ہے:

فان استنبط المجتهدون فی عصر حكما واتفقوا عليه يجب على اهل ذلك العصر قبوله فاتفاقهم صار بينة على ذٰلك الحكم فلا يجوز بعد ذلك مخالفتهم(۲۹)

''جب مجتہدین نے کسی زمانہ میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کیا تو اس زمانہ والوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے' اس کی مخالفت جائز نہیں' کیونکہ یہ اتفاق اس حکم پر بطور دلیل کے ہے۔''

لیکن چونکہ اجماعی فیصلہ میں زمانہ کے اقتضا اور فقہاء کی فکری و ذہنی حالت کو بڑا دخل ہوتا ہے اس بنا پر اس کا اتباع خاص اسی زمانہ والوں پر واجب ہوگا' بعد کے لوگ حالات کی تبدیلی کی بنا پر دوسرے اجماعی فیصلہ پر عمل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اسی طرح ایک ہی زمانہ میں اگر حالات بدل جائیں تو اجماعی فیصلہ بھی بدل جائے گا۔(۳۰)

عصر حاضر میں اجماع کی واضح مثال مسئلہ ختم نبوت ہے' جس پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہو چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء دورِ حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز پر بھی اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے امت کی درست سمت پر رہنمائی کریں۔

قیاس: فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کے لغوی معنی ہیں: اندازہ کرنا' پیائش کرنا' مطابق اور مساوی کرنا۔ چنانچہ ''قاس الثوب بالذراع'' کے معنی ہیں: ''قدر اجزاء ہ به'' (کپڑے کی ذراع سے پیائش کی)۔ اسی طرح ''يقاس فلان بفلان فی العلم والنسب'' کے معنی ہیں: ''يساويه فی العلم والنسب'' (علم اور نسب میں وہ اس کے برابر ہے)۔(۳۱)

قیاس کا لفظ دو چیزوں میں مساوات و برابری نیز دو چیزوں کے مابین موازنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔(۳۲)

اصطلاحِ فقہ میں قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

الحاق امر غير منصوص على حكمه الشرعی بامر منصوص على حكمه لا شتراكهما فی علة الحكم(۳۳)

''حکم کی علت میں اشتراک کے سبب اس معاملہ کو جس کے شرعی حکم کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی' ایسے معاملہ کے ساتھ ملحق کرنا جس کے حکم کی بابت نص وارد ہوئی ہے (قیاس کہلاتا ہے)۔''

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق:

تسوية فرع باصل فی حكم لعلة جامعة بينهما(۳۴)

''فرع اور اصل میں حکم کے علت کی بنیاد پر برابری کرنا جو ان دونوں میں یکساں ہیں۔''

مولانا محمد تقی امینیؒ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے قیاس کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی ہے:

فالقياس الصحيح مثل ان تكون العلة التى علق بها الحكم فى الاصل موجودة فى الفرع من غير معارض فى الفرع يمنع حكمها(۳۵)

''قیاس صحیح مثلاً یہ ہے کہ جس علت پر اصل میں حکم کا مدار ہے وہی علت فرع میں موجود ہو اور فرع میں کوئی رکاوٹ ایسی نہ ہو جو اس میں حکم جاری ہونے کو روک سکے۔''

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس سے مراد یہ ہے کہ اصل حکم میں پائے جانے والی علت کو دوسرے نئے حکم پر منطبق کرنا (قیاس کہلاتا ہے)۔''(۳۶)

جمہور علماء و فقہاء اسے حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ تو اسے فقہی ترتیب میں تیسرے درجے پر رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق چونکہ اس کی اجازت نبی کریم ﷺ نے خود دی تھی اس لیے اس کا درجہ اجماع سے زیادہ ہونا چاہیے۔(۳۷)

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق قیاس تمام علماء کے نزدیک دلیلِ شرعی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واما جمهور الامة فقالوا: ان القياس دليل شرعى ثابت فى الكتاب و فى السنة و فى اقوال الصحابة(۳۸)

''جمہور اُمت کے بقول قیاس دلیل شرعی ہے جو قرآنِ کریم' سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے۔''

قیاس فقہ اسلامی کا انتہائی اہم ماخذ ہے۔ زمانہ چونکہ تغیر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئے چیلنجز کے ساتھ رونما ہو رہا ہے تو اس صورت میں فقہ اسلامی کا دیگر تمام مذاہب کے مقابلے میں یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ ان جدید مسائل کے حوالے سے واضح رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

اسلامی شریعت نے ایک ایسا خودکار نظام وضع کر دیا ہے کہ جس میں قانون اور نظام کے اساسی قواعد و اصول نیز دستور اور آئین کے اساسی تصورات سب کے لیے مشترک اور واجب التعمیل ہیں۔ تمام انسان یکساں طور پر ان اصولوں کے پابند ہیں۔ اس جامعیت اور تنوع کی وجہ اس کی وقعت نظری اور آزادیٔ رائے ہے جو ہر دور میں اُس کی ترقی کے لیے ممد و معاون ثابت ہوتی آئی ہے۔

اگر ایک دور میں کسی مسئلہ پر قیاس سے کام لیتے ہوئے کوئی نتیجہ اخذ کیا گیا تھا اور آنے والے وقت نے اُس کی کسی شق پر کوئی سُقم پایا تو اس دور کے فقہاء کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے قیاس سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کا کوئی اور حل تجویز کریں جو قرآن و سنت سے زیادہ قریب ہو۔ اس کی بکثرت مثالیں ہمیں فقہ اسلامی کی کتب میں ملتی ہیں۔ اس آزادیٔ رائے نے فقہ اسلامی کی اہمیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے' اور یہ سب قیاس سے استفادہ کی صورت ہی میں ممکن ہو سکا ہے۔ قیاس کی اسی اہمیت و افادیت کے حوالے سے قرآنِ کریم' سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بہت کچھ رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں قیاس کی بنیاد کے حوالے سے درج ذیل آیاتِ مبارکہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾(التوبۃ:۱۲۲)

''تاکہ دین میں فہم وبصیرت حاصل کرتے۔''

(۲) ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲﴾(الحشر)

''پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

یہاں ''اِعْتَبِرَ'' کا مطلب ہے ''ردّ الشیٔ الی نظرہ'' کسی چیز کو اس کی طرف لوٹانا۔

(۳) ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾(الجمعۃ:۲)

''اور وہ انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب وحکمت کی۔''

(۴) ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴﴾ (النحل)

''ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے تاکہ وہ خود غور وفکر کریں۔''

(۵) ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء:۸۳)

''اور اگر وہ اس کو اللہ کے رسول اور اہلِ علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ سمجھ جاتے۔''

یہ اور اسی طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں جن میں قیاس اور فکر وشعور کی بنیاد پر سوچنے سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) قیاس کی دلیل نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ملتی ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے پوچھا:

((كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟)) قَالَ :اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ :((فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى؟)) قَالَ :فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :((فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟)) قَالَ :اَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا آلُوْ۔ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهٗ فَقَالَ :((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ)) (۳۹)

''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟'' جواب دیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟'' جواب دیا: پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا: ''اگر نہ سنت میں صراحت کے ساتھ ذکر ہو اور نہ ہی کتاب اللہ میں تو؟'' جواب دیا: ایسی حالت میں اپنی رائے سے امکانی حد تک اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اُس کے رسول کو پسند ہے۔''

(۲) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما دونوں کو

یمن کے الگ الگ علاقوں کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے استفسار پر دونوں نے جواب دیا تھا:

اِذَا لَمْ نَجِدِ الْحُكْمَ فِي السُّنَّةِ نَقِيْسُ الْاَمْرَ بِالْاَمْرِ فَمَا كَانَ اَقْرَبُ اِلَى الْحَقِّ عَمِلْنَا بِهٖ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ((اَصَبْتُمَا))(۴۰)

''جب ہم سنت میں حکم نہیں پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق کے زیادہ قریب ہوگا اُس پر عمل کریں گے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں کی رائے درست ہے۔''

(۳) اسی طرح بلی کے جوٹھے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کے گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے۔(۴۱)

(۴) نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا' لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی۔(۴۲)

(۵) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے رشتے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور میرے لیے درست نہیں''۔(۴۳) چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں سگی بھتیجی پر قیاس کیا' یعنی حرمت کی علت بھی بتا دی۔

(۶) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا میرے والد نے اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں' سواری پر بیٹھ نہیں سکتے اور حج ان پر فرض ہو گیا ہے' تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہو تو وہ تم ادا کر سکتی ہو؟'' اس نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو''۔(۴۴) گویا بندے کے قرض پر اللہ کے قرض کو قیاس فرمایا۔

(۷) ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیوی کے ہاں ایک کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے لیکن مجھے اس میں شک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ان کے رنگ کیسے ہیں؟'' اس نے کہا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''ان میں گندمی رنگ کے بھی ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کہاں سے آ گئے؟'' اُس نے جواب دیا کہ کوئی رگ ہوتی ہے' اس کا اثر آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس بچے کے ساتھ بھی یہی صورت ہو سکتی ہے''۔(۴۵) گویا نبی کریم ﷺ نے حیوانی وجود پر انسانی وجود کو قیاس فرمایا۔

نبی کریم ﷺ نے قیاس صحیح کی اجازت دی تھی اور اس پر اجر کا اعلان فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:

((اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ))(۴۶)

''حاکم جب اجتہاد کے بعد صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے' اور اگر اجتہاد کے بعد غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایک اجر ملتا ہے۔''

ایک اور جگہ یہ روایت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یوں وارد ہوئی ہے:

((اِذَا قَضَی الْقَاضِی فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ عَشْرَةُ اُجُوْرٍ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ اَوْ اَجْرَانِ))(۴۷)

''قاضی جب اجتہاد کے بعد صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اُس کو دس گنا اجر ملتا ہے۔ اور اگر اجتہاد کے بعد غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کے لیے ایک یا دو اجر ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی قیاس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ نئے پیش آنے والے واقعات میں اجتہاد کرتے ہوئے ایک حکم کو دوسرے پر قیاس کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو خط لکھا تھا کہ جو واقعہ تمہیں پیش آئے اور اس کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو تو اس پر خوب سوچو اور اس کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ پھر ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو۔ معاملات کو مختلف نظریوں سے پہچانو۔ پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور حق کے قریب ہو تو اس پر اعتبار کرو۔(۴۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ''کلالہ'' (جس کے نہ والدین ہوں نہ اولاد) کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

اقول فیها برأی فان یکن صواباً فمن اللّٰه وان یکن خطأ فمنی ومن الشیطان(۴۹)

''میں اپنی رائے سے بات کہتا ہوں' اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عورت کے طلاق لینے کے اختیار کے متعلق فرمایا:

اجتهد فیها برای ان اصبت فمن اللّٰه وان اخطات فمنّی ومن الشیطان.....الخ(۵۰)

''میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے.....''

قیاس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض اوقات کسی ایک مسئلہ پر اختلاف بھی رہا ہے۔ چنانچہ اس حوالہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو قیاس کیا اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بنص قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو باپ تسلیم نہیں کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔(۵۱)

(۲) جس حاملہ عورت کا شوہر مرجائے اس کی عدت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وضع حمل مقرر کی ہے' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا۔(۵۲)

(۳) ایک مطلقہ عورت جس نے اپنی عدت ہی میں نکاح کر لیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے موجودہ شوہر کو چند

کوڑوں کی سزا دے کر دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا کہ جو عورت عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرلے اور اسی حالت میں اس سے مقاربت کرلی جائے تو اس شوہر پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت علی ؓ کے نزدیک پہلے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ حضرت عمر ؓ کا یہ فیصلہ مصلحت عامہ کی بنا پر تھا جبکہ حضرت علی ؓ کا فیصلہ اصول عامہ کی بنا پر تھا۔ حالات کے لحاظ سے روحِ شریعت میں دونوں کی گنجائش موجود ہے۔(۵۳)

حوالہ جات

(۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۷۔
(۲) سکروڈوی، جمیل احمد، قوت الاخیار شرح نور الانوار، ج ۱، ص ۴۳۔
(۳) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۸۔
(۴) ایضاً، ص ۶۱۔
(۵) ایضاً، ص ۶۲۔
(۶) شامی، علامہ، نشر العرف فی بناء بعض الاحکام العرف، ص ۱۸۔
(۷) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۲۔۹۳
(۸) ملا جیون، احمد بن سعید، نور الانوار بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۴۔
(۹) حنفی، عبدالعزیز، کشف الاسرار، ص ۳۵۹۔
(۱۰) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۲۰۔
(۱۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۰۸
(۱۲) ایضاً، ص ۹۹۔۱۰۰۔
(۱۳) چنانچہ اس حوالہ سے بخاری شریف میں یہ حدیث بھی آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی قسم کا غلہ خریدے تو جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کرلے اسے نہ بیچے۔''
(۱۴) البیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد، منہاج الاصول الی علم الاصول، ص ۲۴۔
(۱۵) ابن امیر الحاج، التقریر والتبحیر، ج ۳، ص ۸۰۔
(۱۶) الآمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۲۶۶۔
(۱۷) ابو زہرہ، حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۲۸۳۔
(۱۸) الجوزیہ، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۳۰۔
(۱۹) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۹۲۔
(۲۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ص ۷۵۔
(۲۱) سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۱۹۹۔
(۲۲) وهبة الزحيلي، ڈاکٹر، الفقه الاسلامی وادلته، ج ۵، ص ۵۳۵۔
(۲۳) القرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص ۵۰۔

(۲۴)وهبة الزحیلی، ڈاکٹر، الفقه الاسلامی وادلته، ج٦، ص ۹۷۔
(۲۵)ایضاً، ج۲، ص۴۴۔
(۲۶)ابن ماجه، محمد بن یزید، السنن لابن ماجه، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم۔
(۲۷)احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ح ۳٤۱۸۔
(۲۸) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص۱۲۰۔۱۲۱۔
(۲۹) تاج الشریعه، عبیدالله بن مسعود، التوضیح والتلویح مع الحاشیة التوشیح، ص۳٤۔
(۳۰) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص۱۲۲۔
(۳۱) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۱۴۰۔۱۴۱۔
(۳۲)سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی۔ایچ۔ڈی، ص۲۰۷۔
(۳۳) ابن قدامہ، ابوعبداللہ، شمس الدین، روضۃ الناظر وجنۃ المناظر، ج۲، ص۲۲۷۔
(۳۴) العثیمین محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ۵۰۹۔
(۳۵)امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۱۴۱۔
(۳۶)غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص۹۶۔
(۳۷)ایضاً، ص۵۹۔٦۹۔
(۳۸) العثیمین، محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ۵۱۲۔
(۳۹) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن لابی داؤد، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرأی فی القضاء۔
(۴۰) الرازی، محمد بن عمر الحسین، المحصول فی علم الاصول، ج۵، ص ۵۲۔
(۴۱) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن لابی داؤد، ج۱، ص ۱۹۔
(۴۲) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، ج ۵، ص ۲۱۱٦۔
(۴۳)القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج ٤، ص ۱٦٤۔
(۴۴)احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۸٦۔
(۴۵)عبد الباقی، محمد فواد، اللؤلؤ والمرجان، ج ۱، ص ٤٤٦۔
(۴٦)القشیری، مسلم بن حجاج بن بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج۵، ص ۱۳۳۔
(۴۷) البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ۔
(۴۸) احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ح٦٤٦٦۔
(۴۹) الجوزیه، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص٦۳۔
(۵۰) ملاجیون، احمد بن سعید، نور الانوار، ص۲۵۰۔
(۵۱) ندوی، عبدالسلام، تاریخ فقہ اسلامی، ص۱۵۵۔
(۵۲)ایضاً، ص۱۵۲۔
(۵۳) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۵٦۔

❁❁❁

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام کتاب : جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو سال (1910-2010ء)

مصنف : انجینئر مختار حسین فاروقی

ضخامت : ۱۶۰ صفحات قیمت: ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ : قرآن اکیڈمی' لالہ زار کالونی نمبر۲' ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

انجینئر مختار حسین فاروقی ایک مستعد اور خود شناس شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو صلاحیتیں دے رکھی ہیں وہ ان سے بخوبی واقف ہیں اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قوموں کی تاریخ پر ان کی گہری نگاہ ہے۔ وہ باشعور اور حقیقت پسند تجزیہ نگار ہیں۔ ان کی تحریروں میں غلبہ اسلام کی جدّوجُہد پر زور دیا جاتا ہے۔ اس مقصد کا شعور عام کرنے کے لیے ان کی ادارت میں جھنگ سے ماہنامہ ''حکمتِ بالغہ'' پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں انہوں نے ۱۹۱۰ء سے ۲۰۱۰ء کے سو سال کے حالات کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس عرصہ میں اُمتِ مسلمہ پر کیا گزری اور خاص طور پر برصغیر کے مسلمانوں کو کون سے حالات درپیش رہے اور ان سالوں میں مشاہیر اسلام نے کیا جدّوجہد کی۔ برطانیہ کے مقبوضہ مسلم علاقے ایک ایک کر کے آزاد ہوتے رہے اور اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان ایک آزاد مسلم ریاست کے طور پر دُنیا کے نقشے پر ابھرا۔ قیامِ پاکستان کے پس منظر میں جو تحریک اُٹھی اس میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے کردار کی حیثیت نمایاں ہے' جنہوں نے اپنے مؤثّر مقالات اور روح پرور اشعار کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا' جس کے نتیجے میں آزادی کی تحریک نے ایسا زور پکڑا کہ مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور اغیار کی شدید مخالفت کے باوجود قیام پاکستان کا معجزہ وقوع پذیر ہو گیا۔ پھر ایک تلخ حقیقت سامنے آئی کہ پاکستان کو مخلص قیادت نہ ملی' جس سے قیام پاکستان کا مقصد شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

مصنف نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو صحیح طور پر اس بات کی فکر رہی ہے کہ مسلمان اگر طاقت پکڑ گئے تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑا خطرہ ہوں گے' چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو

دبانے کے لیے انسانیت سوز انداز اختیار کیے۔ پہلے روس افغانستان کے مسلمانوں پر چڑھ دوڑا' مگر افغانی مسلمانوں نے اس کو ناکوں چنے چبوا دیے۔ وہ افغانستان کو فتح کیا کرتا' اس کے اپنے حصے بخرے ہو گئے اور وہ اپنی سپر پاور کی حیثیت کھو بیٹھا۔ اب امریکہ کو افغانستان میں اسلامی نظام حکومت سے اس قدر خطرہ پیدا ہوا کہ اس نے اس پس ماندہ ترین ملک پر پوری شدت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کا بہت نقصان کیا مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور اب وہ افغانستان سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ مصنف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان سو سالوں کا ایک حصہ تو مسلمان غلامی میں رہے اور اس دور میں آزادی کی جدوجہد کرتے رہے۔ دوسرے حصہ میں حصول آزادی کے بعد آزاد فضا میں سانس لینے کے قابل ہو گئے' مگر سامراجی طاقتوں کی سازشوں کی آماجگاہ بنے رہے' جس کے نتیجے میں ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا ایک حصہ بنگلہ دیش کے نام سے الگ ہو گیا۔ آج بھی صورت حال یہ ہے کہ پاکستان واحد سپر پاور امریکہ کی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کا مصنف اُمت کا درد رکھنے والا مسلمان اور سچا پاکستانی ہے۔ اس کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان' ایران اور افغانستان میں نظام خلافت قائم ہو گا۔ اس کی تائید میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی درج کی ہیں جن کا متن اور ترجمہ کتاب کے آخری صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آج پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحد کی لکیر کو ختم کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہندوؤں کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کرنا چاہتے ہیں' مگر مسلمانوں کی طرف سے اس خیال کی حمایت تو علامہ اقبال' قائداعظم اور دوسرے محسن مشاہیر کی روحوں کو اذیت پہنچانے اور لاکھوں قربانیوں کو فراموش کرنے کی کوشش اور خود کو ہندوؤں کی غلامی میں دینے کی طرف پیش قدمی ہے۔ پاکستانی حکومت کی طرف سے بھارت کو پسندیدہ ملک قرار دینا اسی نادانی' جہالت اور عاقبت نااندیشی کا نتیجہ ہے۔

کتاب کو بنظر غائر پڑھنے سے حیرت ہوئی بلکہ افسوس ہوا کہ اس میں مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہما کی دینی سیاسی اور قومی خدمات کا تذکرہ نظر انداز ہو گیا ہے' جبکہ ان دونوں حضرات کی مسلم بیداری میں ناقابلِ فراموش جدّوجہد نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کر کے اس فروگزاشت کی تلافی ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس کتاب کو جامعیت کے مرحلے سے گزار کر کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر شامل نصاب کیا جائے تاکہ پاکستانی نوجوان آزادی کی قدر و قیمت سے آشنا ہو سکیں اور اپنے دوست اور دشمن کو پہچان سکیں۔

کتاب کا کاغذ اعلیٰ سفید اور کمپوزنگ معیاری ہے۔ تاہم ضخامت کے اعتبار سے قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

❁❁❁

ساری ہو‘ مدارس ہر سال علماء (جو کہ نبیوں کے وارث ہیں) کی کھیپ پر کھیپ تیار کر رہے ہوں اور معیشت‘ معاشرت حتیٰ کہ سیاست تک میں علماء کا اثر و نفوذ موجود ہو۔ اس سب کے باوجود یہ ''پاک سرزمین'' استعماری طاقتوں کی آماجگاہ اور حزب الشیطان کی سرگرمیوں کا مرکز بن جائے... معاشرت پر ہندو اور انگریز کی ثقافت کا قبضہ ہو... معیشت پر سود اور جوئے‘ سٹے کی حکومت ہو... عدالت پر پیسے اور طاغوت کی مشترکہ حکمرانی ہو... اور میڈیا فحاشی و عریانی کے فروغ کا سب سے بڑا گڑھ بن جائے.....! ہر دیکھنے والی نگاہ اور سوچنے والا ذہن اس تباعد (dichotomy) پر حیران ہے اور جناب رسالت مآب ﷺ کی نبوی فراست پر انگشت بدنداں ہے کہ آپ ﷺ نے ڈیڑھ ہزار برس قبل یہ خبر دے دی تھی کہ ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ (لوگوں کے کرتوتوں کے سبب) میں ان پر ایسا فتنہ مسلّط کروں گا کہ سمجھ دار اور حلیم لوگوں کی عقلیں بھی حیران رہ جائیں گی!''

صاف سی بات ہے کہ کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی صورت میں کوئی خرابی اور کوتاہی ہو رہی ہے جس نے یہ دن دکھلائے ہیں۔ ہمارا ذہن جس کمی اور کوتاہی کی نشاندہی کرتا ہے اُس کا تعلق دینی تعلیمات کے اُس 'برتن' سے ہے جس کا مونہہ بند کر دیا گیا ہے‘ اور جس کے کھلنے سے اُس 'پینڈورا باکس' کھلنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں جس میں باطل اور طاغوت کے سر پر ہتھوڑا بن کر برسنے کا سامان موجود ہے... اور جس کے بند رہنے میں ہی اربابِ اقتدار‘ علماءِ سوء اور مفاد یافتہ طبقات کی خیر ہے۔

عزیزانِ گرامی! سلف صالحین میں سے معاملہ چاہے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا ہو یا امام اہل سنت امام احمدؒ ابن حنبل اور حجۃ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا‘ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ سے ہماری نسبت ادھوری ہی نہیں مصنوعی بھی ہے۔ ورنہ دورِ ملوکیت کے عنفوانِ شباب میں اسلام کی حقانیت پر ہونے والے حملوں کے خلاف ان رجالِ دین کے مجاہدانہ کردار کا کچھ تو اثر ہمارے سیرت و کردار میں نظر آنا چاہیے! کیا وجہ ہے کہ ان بزرگوں سے ہماری نسبتوں کا سارا زور فروعی اور اجتہادی نوعیت کے اختلافات اور فقہی موشگافیوں تک ہی محدود ہو چکا ہے‘ جبکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘ وجوبِ خلافت اور نصب امامت (یعنی نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام) جیسے بنیادی‘ اہم ترین اور متفق علیہ معاملات کے بارے میں ہماری دینی قیادت و پیشوائیت یکسر خاموش اور عملی طور پر لاتعلق ہے! ہاں‘ اگر کوئی فکر اور خیال ہے بھی تو وہ اپنے مسلک کی مسجد و مدرسہ کے بقا کی حد تک!

مرض کی یہ وہ تشخیص ہے جس کی صحت پر ہمیں کوئی شک نہیں —— یہ بات ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں... اور ان شاء اللہ کہتے رہیں گے... کہ ہمیں تو بہر حال احقاقِ حق کا فریضہ سرانجام دیتے رہنا ہے..... مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ!

❁❁❁

قرآن حکیم کی عظمت‘ تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):

امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 400 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):

امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org

*Islamophobia, Neo-Orientalism, And the Prophet (SAWS) **

Dr. Munawar A. Anees
Founder Director, Center for Global Dialog
University of Management and Technology
Lahore, Pakistan
dranees@knowsys.org

Beyond the colonial legacy, the relations between Islam and the West have come to be defined largely by the landscape of ideas and events of the post-September 11 world. Several euphemisms are in vogue: clash of civilizations, war of ideas, war on terror, Crusades, Islamofascism, and a milder version of Islamic fundamentalism, among others, with less caustic attributes.

Here we take a critical look at some of these markers of Western cultural delirium. Apart from the military, economic, and political streaks involving invasion of Iraq, Afghanistan, and covert and not so covert intrusions into Pakistan, the most prominent target of the Western diatribes is the life, personality, and character of the Blessed Prophet (may Allah's peace be upon him). A Christian polemicist Ali Sina (pseud.) sums up the mindset in these words: "To understand Muslims, one must understand their prophet. Muslims worship and emulate Muhammad. Islam is Muhammadanism. Only by understanding him can one know what makes them tick. "

The Islamophobic literature of the current decade, for which the Internet is a fertile ground, has some former "Muslims" and others with pseudonyms who have vainly attempted to present neo-Orientalism in a respectful theological garb. Moreover, instantaneity in the transmission of text, graphics, and audio-visual bits has added new dimensions to the intensified hate crusade. Here, portrayal of the Prophetic life is a pointed vilification for pedophilia, slavery, polygamy, and "holy" war, as opposed to the dominating Orientalistic approach to the Sira by way of philology, history, and comparative religion.

The hate, rage, calumny, and prejudices against Islam in the West do not distinguish between the Glorious Quran, the Blessed Prophet, and Muslims at large. Both neo-Orientalism and Islamophobia, though recognizing the archetypal status of the Blessed Prophet, target one and all in their relentless assaults upon Islamic dignity and integrity. It may, therefore, be argued that any critical study of modern trends in Sira study in the West must adopt a holistic

*A Special Lecture delivered in *Salana Muhadhraat-e Qurani* at the Quran Auditorium, Lahore, on March 23, 2012.

approach in order to expose the ideological *blitzkrieg* that often culminates in invasion and occupation of Muslim lands. Given the fast-paced changes in tactics, instead of a microscopic academic only view of the treatment of Sira in the West, we do need to take a broader and all-encompassing look to understand the dimension of this coordinated assault against Islam. In this context, this presentation barely scratches the surface of this paradigmatic shift.

Exactly a year ago (i.e., March 20, 2011) in Gainesville, Florida, an American evangelical pastor supervised the burning of a copy of the Glorious Quran in a church after finding it "guilty" of crimes. The burning was carried out by pastor Wayne Sapp under the supervision of Terry Jones, who last September threatened to ignite a pile of the Glorious Quran on the anniversary of September 11, 2001 incident. This event was presented as a trial of the book in which the Glorious Quran was found "guilty" and "executed." The jury deliberated for about eight minutes. The book, which had been soaking for an hour in kerosene, was put in a metal tray in the center of the church, and Sapp started the fire with a barbecue lighter.

In spite of the fact that world media has attempted to portray these shenanigans of Terry Jones as an act of an individual from a small church, it is not an isolated incident. There is a pattern to it. In 2005, wide-spread protests broke out after the desecration of the Glorious Quran at Guantanamo Bay prison when it was flushed to rattle Muslim detainees. The same year, American jailers splashed a copy of the Glorious Quran with urine and menstrual blood, kicked and stepped on it and soaked it with water. Two years later, a defaced copy of the Glorious Quran was found on the front entrance of Islamic Center in Clarksville, Tennessee. A German businessman printed the name of the Glorious Quran on toilet paper and offered the rolls for sale. Incidents such as the use of Quranic verses as a tattoo on the lower dorsal side of female body, their imprinting on leather used for women's shoes, and garments printed with these verses worn by half-naked female models in fashion shows are not uncommon. The fascist Dutch MP Geert Wilders issued on the Internet a poor collage entitled *Fitna* and compared the Glorious Quran with Adolf Hitler's *Mein Kampf*. An online petition *Ban the Quran as Hate Speech* is actively seeking signatories. The petition states that "The Koran (or Qur'an) is a book which inspires and incites hatred and violence against non-Muslims. The book should be banned in non-Muslim countries."http://www.petitiononline.com/banquran/petition.html And joining the Islam-bashing bandwagon was none other than Pope Benedict XVI with an affront to the Blessed Prophet and highly derogatory remarks about Islam. Only his conciliatory visit to Turkey helped calm the Crusading fervor.

The foregoing incidents are only a minute fraction of the events and materials that continue to target Islam, its Blessed Prophet, and Muslims in the most denigrate and despicable manner. The language and the graphics employed to create this avalanche of bigotry is, to say the least, unthinkable by any civilized person in any time and age. The verbal and visual onslaught,

especially experienced by Muslims who are on the Internet, hardly ever gets reported in the mass media. The magnitude of this hate of astronomical proportions can be gauged by a simple keyword search on Google. When done on March 26, 2011, under the keyword Islamophobia, it yielded more than 1.7 million pointers! This is an increase of more than 1.2 million entries over a period of ten months. A similar search on March 22, 2012, Google entries had doubled to 3,490,000. Thus, within a two year period Google entries registered a 400% increase!

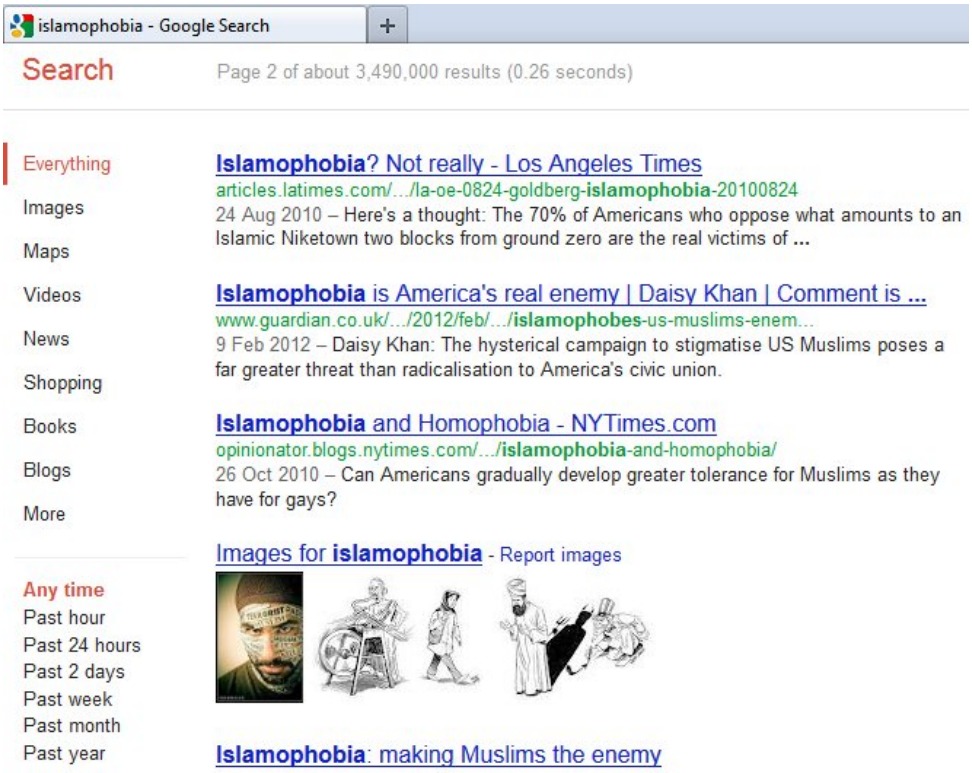

Google searches conducted under terms such as Islamofascism, Islamists, desecration of Quran, Danish cartoons, anti-Islam or similar caricatures of Islam and Muslims bring forth extremely disturbing results. A deep search on image repository yields graphic and multimedia sites with animalistic representations. One is awe-struck to witness what is depicted in the name of the Holy Grail of freedom of expression. Invoking the maximum reach of modern technology to broadcast hate, no other faith has been maligned like Islam. No Prophet of Allah has been subjected to such atrocities as our Beloved and Blessed Prophet. No other group of believers has been made to suffer such deep and lasting emotional scars inflicted by this "freedom."

Here is an assorted sample of opinions held and openly expressed by intellectuals, political figures, and religious leaders of the West. President Bush said in a speech: "Some call this evil Islamic radicalism; others, militant Jihadism; still others, Islamofascism." Daniel Pipes, a venomous

neo-Orientalist, who is credited with the coinage Islamofascism, said: "Conversion to Islam substantially increases the probability of a person's involvement in terrorism." This loaded statement was made prior to September 11 incident. Franklin Graham, who performed the benediction at the Bush inauguration, is quoted as saying: "We're not attacking Islam but Islam has attacked us," NBC quotes Graham as saying at a dedication of a chapel in North Carolina. "The God of Islam is not the same God. He's not the son of God of the Christian or Judeo-Christian faith. It's a different God, and I believe it is a very evil and wicked religion." The Italian Prime Minister, Silvio Berlusconi asserted that "Western civilization is superior to Islam." Jerry Falwell said on ABC TV that "Muhammad was a terrorist." Pat Robertson on the Sean Hannity radio program said about the Prophet Muhammad: "This man was an absolute wild-eyed fanatic. He was a robber and a brigand. And to say that these terrorists distort Islam, they're carrying out Islam." In the program's second segment, Robertson said: "[The Quran, Islam's revealed text] is strictly a theft of Jewish theology. I mean, this man [Muhammad] was a killer. And to think that this is a peaceful religion is fraudulent." Jerry Vines, at the Southern Baptist Convention in Saint Louis, made statements regarding Islam and Prophet Muhammad that are deeply offensive and inflammatory. He said that Prophet Muhammad was a "demon-possessed pedophile," that, "Allah is not Jehovah either. Jehovah's not going to turn you into a terrorist that'll try to bomb people and take the lives of thousands and thousands of people."

We would be amiss to believe that these statements were made in a "politically correct" context and had transitory value. Nay, they have come to define the way West looks at Islam, its Blessed Prophet, and Muslims. We do not need to dig any deeper to understand the influence of these opinions in the academia as well as the public square. Not to talk of reformulation of old state policies or introduction of new controls. It would not be an exaggeration to state that over the last one decade we have witnessed a slow death of multiculturalism, an end to liberal thinking, increasing curbs upon personal freedom, enhanced surveillance of individuals, a lowered threshold of tolerance, harassment, unlawful detention, and ultimately a ban on Shariah. In public life, travel restrictions, endless abuse, discrimination, violence, profiling, ban on hijab, denial of permission to raise minarets or to build mosques, restrictions on halal manufacturing are but some of the prejudices faced by Muslims. Anyone who subscribes to the daily newsfeed from the Council on American Islamic Relations (CAIR) or visits websites such as Islamophobia.org or Islamophobia Watch would not go unscathed.

The Oriental romanticism, mystique, and the mystery of Arabia deserta with the feuding Bedouins and the opulent harem now is replaced with a new plethora of stereotypes for the "Arabian Prophet" and his worldwide followers. They now are cast in new dyes. Of all the critiques of Islamophobia, Tariq Ali's words have the most to convey: "Islamophobia is

useful for the authorities because it helps to keep their own populations worried. It helps to justify some of the atrocities that have been carried out in Iraq and Afghanistan. Guantanamo, as some of its inmates tell you, is horrible but nothing compared to the atrocities that have been carried out in Bagram prison outside Kabul in Afghanistan. Islamophobia says: this is terrible, but you know we have to do it really, because you know what these Muslims are. That's why it's taken up and used quite openly in the mainstream media: to justify American wars and occupations and the support Europe has given them."

Importantly, one of the bestselling non-fiction titles in both France and Germany was the terribly Islamophobic *Who Killed Daniel Pearl?* by the French pseudo philosopher Bernard- Henri Levy. Few reviewers from both countries bothered to observe Levy's profound and rather burning hatred for ordinary people of Pakistan, whom he portrayed throughout as fanatical Orientals who "scowl" as he passes and "narrow their eyes . . . with a tarantula-like stare." Besides Levy, Daniel Pipes, and Geert Wilders, the new Hall of Islamophobic Infamy is studded with such names as: Robert Spencer, Pamela Geller, Brigitte Gabriel, Debbie Schlussel, Walid Shoebat, Joe Kaufman, Wafa Sultan, Ann Coulter, Ayan Hirsi Ali, Ibn Warraq among many others.

It would be erroneous to assume that the new brigade of Islamophobic authors is a pseudonym for neo-Orientalism. On the contrary, it is a new *genre* of its own, devoid of intellectual honesty, conscience, or any moral underpinning. In spite of having carved a new path to profit – for Islamophobia industry is a money cruncher – some of them have laid claim to neo-Orientalism. Remember Bernard Lewis, the flag carrier of "Orientalism in the service of Imperialism," is still alive and kicking with his characteristic question: What Went Wrong? An explosive mix of Islamophobes, neo-Orientalists and neo-Cons is what the "New American Century" is all about.

The term "Orientalism," as we know, was abandoned on the 100th anniversary of the First International Congress of Orientalists. However, Edward Said may be credited with the distinction of having unveiled its true nature: "I have not been able to discover any period in European or American history since the Middle Ages in which Islam was generally discussed or thought about outside a framework created by passion, prejudice and political interests. This may not seem like a surprising discovery, but included in the indictment is the entire gamut of scholarly and scientific disciplines which, since the early nineteenth century, have either called themselves Orientalism or tried systematically to deal with the Orient."

In his devastating critique of neo-Orientalism, Shahid Alam brings out how Edward Said dissected the scholarship of Bernard Lewis: "Edward Said gets to the nub of Lewis' Orientalist project when he writes that his "work purports to be liberal objective scholarship but is in reality very close to being propaganda against his subject material." Lewis' work is "aggressively ideological." He has dedicated his entire career, spanning more than five

decades, to a "project to debunk, to whittle down, and to discredit the Arabs and Islam." Said writes: The core of Lewis' ideology about Islam is that it never changes, and his whole mission is to inform conservative segments of the Jewish reading public, and anyone else who cares to listen, that any political, historical, and scholarly account of Muslims must begin and end with the fact that Muslims are Muslims."

It is not out of place to mention that Daniel Pipes and others have made a concerted effort to re-define and re-orient even the intellectual matrix of neo-Orientalism. A reference is made here to an academia-wide sustained campaign to force them to abandon pursuits not in tune with the oppressive occupational policies of Israel. The entity known as Campus Watch is active in ensuring that the entire scale of Middle Eastern studies across American universities is in tune with the existing geopolitical situation at the cost of historical realities. Defamation, harassment, and smear campaigns have been some of the tactics employed in the supervision of truth manufacturing. Academic freedom and liberty to speak truth are no longer counted as some of the cherished intellectual values at American universities. The paradigmatic shift from philology and comparative studies in classical Orientalism now is replaced by political expediency in the name of Empire and intellectual as well as moral dereliction. Calumnies against Edward Said are no doubt a part of the same larger campaign to retain control over truth and legitimacy of studies Oriental, neo or not.

But the tide of time and demography has no longer left Orientalism strictly Western. As Abdallah Laroui points out: "Orientalism is Western when it takes the West not as an event, but as an idea preordained in all eternity, complete and final from the beginning. And if it starts from this point, it has to construct its subject-matter as an explicitly, totally different item, reduced to the form it had at its birth. The two assumptions are clearly related; if the West is a fulfilled promise, the non-West has to be unfulfilled since unannounced. If the first is predetermined the second is necessarily accidental. In both cases no evolutionary process is ever conceived. Positive changes, when detected in the West, are predicated on preexistent seeds, and so are defects, flaws, wants in the non-West. One is a welcome miracle, which can change and remain the same, while the other, particularly Islam, is an unwelcome accident, not permitted to change without betraying itself. http://nawaat.org/portail/2005/05/14/western-orientalism-and-liberal-islam-mutual-distrust/

This too vindicates Edward Said's criticism of Bernard Lewis.

In conclusion, it is safe to argue that the classical Orientalism neither had the means nor the evil imagination to portray the Beloved Prophet in a manner akin to what we are observing today. The paradigmatic shift is, to a large extent, technology-mediated and no longer makes pristine intellectual pursuits a trait of this academic discipline. Truth stands sacrificed at the altar of political expediency to the extent that benign scholarship such as that of Henry Corbin or S.H. Nyberg is made to appear as suspect. In the name of

"revenge" for September 11 incident, intellectual and political noose is being tightened with heinous attempts to distort the personality and the message of Muhammad (peace and blessings of Allah be upon the Last Prophet). Muslim scholarship faces the challenge of uncovering the nature of this evil and to defend the honor of the Beloved Prophet (peace and blessings of Allah be upon the Last Prophet).

Further Reading

Norway: Muslims threaten another 9/11 over 'Muhammad the Pig' cartoon http://barenakedislam.wordpress.com/2010/02/15/norway-muslims-threaten-another-911-over-muhammad-the-pig-cartoon/

Defending the West: A Critique of Edward Said's 'Orientalism' by Ibn Warraq, New Jersey: Prometheus Books, 2007.

'Everybody Draw Mohammed Day' Unleashes Facebook Fracas By Joshua Rhett Miller http://www.foxnews.com/scitech/2010/05/19/facebook-fracas-breaks-everybody- draw-mohammad-day/

Historian Simon Schama explains why he believes Islamophobia in the U.S. is worse now than after 9/11 http://edition.cnn.com/video/?/video/us /2010/09/13 /lustout.muslim.america.schama.cnn

Understanding Muhammad: A psychobiography of Allah's Prophet [ISBN: 978-0980994803] by Ali Sina http://www.faithfreedom.org/book.htm

Danish Muhammad cartoonist receives German prize
http://www.wtop.com/?sid=2047764&nid=105

'South Park' Bleeped Over Muhammad Episode
http://www.politicsdaily.com/2010/04/23/south-park-bleeped-over-muhammad-episode/

Taking a Stand: Muhammad in the Age of Jihad by Deepak Chopra
http://larrykinglive.blogs.cnn.com/2010/09/09/exclusive-taking-a-stand-muhammad-in-the-age-of-jihad/

Dangerous Knowledge: Orientalism and Its Discontents by Robert Irwin

Alam, M. Shahid. Challenging the New Orientalism: Dissenting Essays on the "War Against Islam". North Haledon (NJ): Islamic Publications International, 2007. 272pp.

Muhammad: The "Banned" Images by Gary Hull
http://www.amazon.com/dp/0615324215/?tag=thevolocons0d-20

For Lust of Knowing: The Orientalists and Their Enemies by Robert Irwin, London: Penguin, 2007.

Cartoons That Shook the World by Jytte Klausen
http://www.amazon.com/Cartoons-That-Shook-World/dp /0300124724/ref=pd_sim_b_1

Muhammad and the Believers: At the Origins of Islam by Fred M. Donner

http://www.amazon.com/Muhammad-Believers-At-Origins-Islam/dp/0674050975/ref=pd_sim_b_44

Cambridge Companion to Muhammad Ed by Jonathan E Brockopp http://www.amazon.com/Cambridge-Companion-Muhammad-Companions-Religion/dp/0521713722/ref=pd_sim_b_46

Images of Muhammad: Narratives of the Prophet in Islam Across the Centuries by Tarif Khalidi http://www.amazon.com/Images-Muhammad-Narratives-Prophet-Centuries/dp/0385518161/ref=pd_cp_b_1

Muhammad by Michael Cook http://www.amazon.com/Muhammad-Past-Masters-Michael-Cook/dp/0192876058/ref=pd_sim_b_4

Bauden, Jabal Muhammad. Image of the Prophet Muhammad in the West: A Study of Muir, Margoliouth and Watt. Leicester, UK: Islamic Foundation, 1996. xix + 394pp.

Memories of Muhammad: Why the Prophet Matters by Omid Safi http://www.amazon.com/Memories-Muhammad-Why-Prophet-Matters/dp/0061231347/ref=pd_sim_b_7

Islam in European Thought. Albert Hourani. Cambridge: Cambridge University Press, 1991, 199 pp.

Mother of the Believers: A Novel of the Birth of Islam by Kamran Pasha http://www.amazon.com/Mother-Believers-Novel-Birth-Islam/dp/1416579915/ref=pd_sim_b_30

Eye of the Beholder: The Life of Muhammad As Viewed by the Early Muslims--A Textual Analysis by Uri Rubin http://www.amazon.com/Eye-Beholder-Muhammad-Muslims Antiquity/dp/087850110X/ref=pd_sim_b_38

Making of the Last Prophet: A Reconstruction of the Earliest Biography of Muhammad by Gordon D Newby http://www.amazon.com/Making-Last-Prophet-Reconstruction-Biography/dp/0872496236/ref=pd_sim_b_67

Muhammad: Man of God by Seyyed Hossein Nasr http://www.amazon.com/Muhammad-Man-Seyyed-Hossein-Nasr/dp/1567445012/ref=pd_sim_b_74

Islamophobia: Making Muslims the Enemy**.** By Peter Gottschalk and Gabriel Greenberg. New York: Rowman and Littlefield Publishers, 2008.

In the Footsteps of the Prophet: Lessons from the Life of Muhammad by Tariq Ramadan http://www.amazon.com/Footsteps-Prophet-Lessons-Life-Muhammad /dp/0195374762/ref=pd_cp_b_1

Khadija by Resit Haylamaz http://www.amazon.com/Khadija-Resit-Haylamaz /dp/1597841218/ref=pd_sim_b_82

Jewel of Medina by Sherry Jones http://www.amazon.com/Jewel-Medina-Sherry-Jones/dp/0825305187/ref=pd_sim_b_4

Sword of Medina: A Novel by Sherry Jones http://www.amazon.com/Sword-Medina-Novel-Sherry-Jones/dp/0825305209/ref=pd_sim_b_2

Truth About Muhammad: Founder of the World's Most Intolerant Religion by Robert Spencer http://www.amazon.com/Truth-About-Muhammad-Intolerant-Religion/dp/1596985283/ref=pd_sim_b_4

Sword of the Prophet: Islam; History, Theology, Impact on the World by Serge Trifkovic http://www.amazon.com/Sword-Prophet-History-Theology-Impact/dp/1928653111/ref=pd_sim_b_30

Caged Virgin: An Emancipation Proclamation for Women and Islam by Ayaan Hirsi Ali http://www.amazon.com/Caged-Virgin-Emancipation-Proclamation-Women/dp/0743288343/ref=pd_sim_b_16

Imperial Fictions: Europe's Myths of Orient by Rana Kabbani, London: Saqi Books, 2008.

Dabashi, Hamid. Post-Orientalism: Knowledge and Power in Time of Terror. New Brunswick (NJ): Transaction Publishers, 2009. 285pp.

Mohamed Tavakoli-Targhi. Refashioning Iran: Orientalism, Occidentalism and Historiography. Hampshire and New York: Palgrave Macmillan, 2001. xvi + 216 pp.

www

MESSAGE OF THE QUR'AN

(Continued from page 89)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

(102) Not for you is the decision; whether He turns in mercy to them or punishes them. Verily, they are the wrongdoers.

When the Holy Prophet (SAW) was wounded in the *Battle of Uhud*, he cursed the disbelievers and invoked evil upon them and said: *"How can a people achieve success after having injured their Prophet."* [18] Afterwards Allah (SWT) revealed this *ayah* that it is only He who guides whom He wills and no one can interfere in His decisions.

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾

(103) And to Allah belong all that is in the heavens and all that is in the earth. He forgives whom He wills, and punishes whom He wills. And Allah is Oft-Forgiving, Most Merciful.

End Notes

[16]Surah At-Taghabun (64): 16.

[17] Sahih Muslim 1: 69, 70.

[18] Fath-ul-Bari 7: 365.

www

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

#

Aal-e-Imran

(Ayat 102-129)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

(102) O you who believe! Fear Allah as He should be feared and die not except as Muslims.

i.e. you should remain steadfast in your loyalty and obedience to Allah (SWT) and have *Taqwa* of Him. As mentioned in *surah Al-Baqarah*, the Arabic word *Taqwa* means piety and righteousness, therefore, it means that you should act righteously and obey Allah (SWT) and remember Him as is His due. When this *ayah* was revealed, the Companions (RAA) used to ask the Prophet (SAW) as to how they could have fear of Allah (SWT) as much as was His right, as they were afraid that they might not be able to do full justice to this command. Upon this, the following *ayah* was revealed: *"So fear Allah as much as you can."* [16] Further Allah (SWT) says: *"and die not except as Muslims."* A Muslim is a person who has submitted himself to Allah (SWT) in total obedience. Thus if a Muslim really wants to act on this *ayah*, he will never commit a sin intentionally, because he may die at the very moment he is committing the sin. Hence, if we want to perform the duties that have been allotted to the *muslim ummah* the first thing that needs to be done is to become a good Muslim individually.

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

(103) And hold fast, all of you together, to the rope of Allah and not be divided among yourselves and remember Allah's favor on you; for you were enemies and He joined your hearts together, so that by His grace you became brethren, and you were on the brink of the pit of fire and He saved you from it. Thus Allah makes his revelations clear to you, that you may be guided.

The *Qur'an* and every *ayah* therein is a part of the rope of Allah (SWT) i.e. the path of Allah (SWT). Also according to the *ayah* of the *Qur'an:*

"And whatever the Messenger gives you, take it, And whatever he prohibits you from, refrain from it" the commands and actions of Prophet Muhammad (SAW) i.e. the S*unnah*, is also a part of this *"rope of Allah"*. Thus the only way prescribed for the believers to the straight path by Allah (SWT) is to hold fast to this rope i.e. give your utmost to establish the *Deen* of Allah (SWT) and never divide into fractions. *"And remember Allah's favor on you; for you were enemies and He joined your hearts together, so that by His grace you became brethren, and you were on the brink of the pit of fire and He saved you from it. Thus Allah makes his revelations clear to you, that you may be guided."* This refers to the horrible state of the Arabs, who before Islam were divided into clans and groups that were always at war and had great hatred and antagonism for each other. Then when they embraced Islam, they became one *Ummah*, helping each other in piety and righteousness. Thus the first step is to create an individual of sound character and morality and the second step is to create an *Ummah*, the members of which exhibit exemplary unity.

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤

(104) Let there arise out of you a group of people inviting to all that is good, enjoining what is right and forbidding what is wrong. And it is they who are the successful.

i.e. There should be a segment of Muslims from the *Ummah* which calls others towards Islam i.e. towards the teaching and understanding of the Holy *Qur'an*. *"Enjoining what is right and forbidding what is wrong. And it is they who are the successful."* i.e. enjoining all that Islam orders and forbidding whatever Islam has forbidden. *Abu Hurayrah* (RAA) narrated the saying of the Messenger of Allah (SAW): *"Whoever among you witnesses an evil, let him change it with his hand. If he is unable, then let him change it with his tongue. If he is unable, then let him change it with his heart, and this is the weakest faith."* [17] Such men shall surely triumph.

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥

(105) And be not like those who are divided and differed amongst themselves after clear revelations had come to them. For such there is an awful torment.

This *ayah* refers to the previous Muslim *Ummah* i.e. the Jews, who even after receiving clear guidance from the Messengers of Allah (SWT), differed amongst themselves and divided into groups and factions. And for those responsible for division and arguments Allah (SWT) says: *"For such there is an awful torment."*

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝١٠٦

(106) On the day when some faces will be bright (with joy) and some faces will be black; to those whose faces will be black (will be said): "Did ye reject faith after accepting it? Taste then the torment for rejecting faith.

On the Day of Judgment, the faces of the believers who followed the *Qur'an* and the *Sunnah* of the Prophet (SAW) will be bright and will radiate with whiteness. But as for the hypocrites and disbelievers, their faces will be blackened (with grief) and they will suffer the painful torment of Hell forever.

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١٠٧

(107) As for those whose faces will be white, they will be in Allah's Mercy, therein they shall dwell for ever.

i.e. they will be in the Paradise, where they will live forever and will abide forever in Allah's mercy.

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٨

(108) These are the Revelations of Allah, We recite them to you in truth; Allah intends no injustice to the worlds.

i.e. Allah (SWT) does not want to be unjust to the people of the world, that is why He is guiding them and illuminating the way to salvation for them.

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝١٠٩

(109) All that is in the heavens and in the earth belongs to Allah and all matters return to Allah.

i.e. all matters return to Him for the final judgment. His is all that the heavens and the earth contain.

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝١١٠

(110) You are the best of peoples ever raised up for mankind. You enjoin good and forbid evil, and you believe in Allah. And had the People of the Book believed, it would have been better for them; among them are some who have faith but most of them are transgressors.

This subject has already been commented upon in ayah 143 of surah Al-Baqarah. "And had the People of the Book believed, it would have been better for them; among them are some who have faith but most of them are transgressors." i.e. if the Jews and the Christians had believed in Prophet Muhammad (SAW), that surely would have been better for them in this world as well as in the Hereafter, but only a few of them believed in him and most of them chose to be disbelievers and evil-doers.

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝١١١

(111) They can do you no harm, barring a trifling annoyance; if they fight against you, they will show you their backs and they will not be helped.

In this *ayah*, Allah (SWT) gives the good news that whenever a conflict occurs between the Muslims and the People of the Book, the final

victory will be of the Muslims and the disbelievers will turn their backs and run away and there shall be none to help them.

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

(112) Ignominy is put over them wherever they may be, except when under a covenant of protection from Allah or a covenant from men. They have incurred the wrath of Allah and destitution is put over them. This is because they disbelieved Allah's revelations and slew His prophets unjustly and because they disobeyed and transgressed the limits.

Allah (SWT) has placed humiliation and misery on the Jews wherever they live in the world and they will never be safe except under the covenant of protection, that is by paying *jizyah* (tax) to an Islamic country or under the assured security from other non-Muslim nations as they are protected today by the dominant Christian world. *"They have incurred the wrath of Allah and destitution is put over them. This is because they disbelieved Allah's revelations and slew His prophets unjustly"* They were scattered all over the earth, dividing into fractions and were put to humiliation and misery because of their disbelief in Allah's revelations and killing of His Prophets *"and because they disobeyed and transgressed the limits."* i.e. they transgressed His set limits and defied His commandments.

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

(113) Not all of them are alike: of the People of the book are a portion that stands for the right; they recite the revelations of Allah all night long and prostrate themselves before Him.

According to the most correct scholarly opinion, this *ayah* refers to those People of the Book who eventually embraced Islam. Therefore, those among the People of the Book who were righteous, obeyed Allah (SWT), followed their Prophets before the advent of Islam and then believed in Prophet Muhammad (SAW), will receive their due reward for their good deeds from Allah (SWT). Such are their qualities that they recite Allah's revelations and prostrate themselves in the blessed hours of the night.

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(114) They believe in Allah and the Last Day; they enjoin good and forbid evil and they hasten in emulating each other in good works and they are among the righteous.

Allah (SWT) further describes the qualities of those people who followed their scriptures and obeyed Allah (SWT) and afterwards when Islam was presented to them, they accepted it.

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵

(115) And whatever good they do, nothing will be rejected of them, for Allah knows well the pious.

i.e. whatever good deeds they did in this world, they will be rewarded for that in the Hereafter.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶

(116) Those who disbelieve, neither their possessions nor their progeny will avail them aught against Allah; they will be companions of the fire, therein they will abide (for ever).

On the other hand, those who disbelieve in Allah's revelations and His Prophets, their children and their wealth will not be able to save them from His punishment in the Hereafter and they will abide in that state forever. They are the people of the Fire, and there they shall remain forever.

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۷

(117) The parable of what they spend in this world is that of a wind of Sir: it strikes and destroys the harvest of men who have wronged their own souls. Allah wronged them not, but they wronged themselves.

Allah (SWT) admonishes us with a similitude. It means that as the wind is beneficial for the harvest of a crop, in the same way a charity helps nourish the harvest of life that is to be reaped in the Hereafter, but if that wind has frost, it destroys the crop. Similarly charity is of no use in the next life if it is made for boastfulness in this life and with unbelief. The wealth they spend in this world is like a freezing wind that smites the harvest of men who have wronged themselves, laying them waste. Allah (SWT) has not wronged them; instead, they wrong themselves.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۠ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸

(118) O you who believe! Take not into your intimacy those other than your own; since they will not fail to do their best to corrupt you. They only desire to ruin you. Hatred has already appeared from their mouths; but what their hearts conceal is far worse. Indeed we have made plain to you the revelation if you have wisdom.

In this *ayah*, Allah (SWT) prohibits the believers from taking the hypocrites into their confidence as their friends or advisors. This refers to the hypocritical attitude of the Jews of *Madinah* who because of their jealousy and enmity towards the believers, always tried to find an opportunity to belittle them and oppose them while showing friendship

to them outwardly. But Allah (SWT) makes it clear that they may pretend to be friends to the Muslims, but in their hearts, they are the Muslims' bitter enemies. Their hatred is clear from what they say, but more violent is the hatred their breasts concealed.

هَاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

(119) Lo! You are the ones who love them but they love you not, and you believe in all the Scriptures. And when they meet you, they say, "We believe". But when they are alone, they bite the tips of their fingers at you in rage. Say: Perish in your rage. Certainly, Allah knows what is in the breasts.

i.e. the believers like and befriend the hypocrites like the Jews of *Madinah*, because they do not know what enmity and rage they conceal in their hearts. The believers believe in their Books i.e. *Torah* and *Injeel*, whereas they are the ones who have reservations about the *Qur'an* and show doubt in it. *"And when they meet you, they say, "We believe". But when they are alone, they bite the tips of their fingers at you in rage. Say:"Perish in your rage. Certainly, Allah knows what is in the breasts."* Here Allah (SWT) criticizes the hypocritical behavior of those who pretended to be believers while they concealed the opposite of it.

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

(120) If a good befalls you, it grieves them, but if some evil overtakes you, they rejoice at it. But if you remain patient and become pious, not the least harm will their cunning do to you. Surely, Allah surrounds all that they do.

Such is their enmity against the believers that they grieve if the believers enjoy some good, like abundance in wealth and land and victory over their enemies. But if some calamity befalls on the believers, these hypocrites become happy and rejoice. *"But if you remain patient and become pious, not the least harm will their cunning does to you."* Allah (SWT) directs the believers to safety against the hypocrites by having patience and *Taqwa*. And *"Surely, Allah surrounds all that they do."* Allah (SWT) has knowledge of all their actions.

From here we begin the fourth part of this *surah*, which describes the events that took place at the *Battle of Uhud*. The defeat in the *Battle of Badr* was so painful for the disbelievers that they wanted to confront the Muslims again. They spent a year after the *Battle of Badr* amassing weapons and strong men and prepared an army of three thousand, including 700 in coats of mail (*Zirah Posh*) and 200 cavalry to fight against the Muslims. They left *Makkah* for *Madinah* in the beginning of the month of *Shawwal*, the third year of *Hijrah*, in order to avenge their defeat. When they reached the vicinity of

Madinah, the Prophet (SAW) took counsel with his Companions as how best to resist the *Quraysh*. The Prophet (SAW) was of the opinion that they should defend *Madinah* from within the walls, but some young enthusiastic men who had not taken part in the *Battle of Badr* longed for martyrdom and felt aggrieved at not having had the opportunity to fight in the *Battle of Badr* and advised the Messenger of Allah to go out and meet the enemy in the open. The Prophet (SAW) agreed and left *Madinah* along with a thousand men towards Mount *Uhud*. However, halfway through, one-third of them turned back under the influence of the head of the hypocrites, *Abdullah Bin Ubay*. The Prophet (SAW) proceeded with the remaining men until he camped at the trail of Mount *Uhud* putting the mountain behind him and facing the *Quraysh* army. There was only a mountain pass from where the Muslims could be subjected to a surprise attack. So the Prophet (SAW) posted fifty archers there as guards under the command of *Adbullah Bin Jubayr*, (RAA) instructing him neither to let anyone approach nor move away from that spot no matter what happened. Then the two armies confronted each other and in the first stages of the Battle the Muslims gained the upper hand and were victorious by Allah's will. When the archers positioned by the Prophet (SAW) saw the disbelievers being defeated, some of them left their positions and joined other Muslims in collecting the booty. *Khalid Bin Walid* (RAA) who was an unbeliever at that time seized this opportunity and he along with his men went around Mount *Uhud* and attacked the Muslim army from behind. Suddenly the battle turned against the Muslims and they took to their heels in confusion. Still there were some brave Muslims who fought valiantly and rallied around the Prophet (SAW) to protect him and took him to the safe side of the Mount. The disbelievers also went back to *Makkah* with their injured and dying victims. Thus the Battle of *Uhud* came to an end, leaving behind seventy martyrs amongst the Muslims. The following discourse brings some good lessons learned by the Muslims after the *Battle of Uhud*.

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۱

(121) And remember when you left your household in the morning to post the faithful at their stations for battle. And Allah hears and knows all things.

Allah (SWT) is reminding about the time when *Battle of Uhud* took place.

اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۲

(122) And remember when two parties of you almost fell away, and Allah was their Protecting Friend. In Allah should believers put their trust.

The two parties were *Banu Harithah* and *Banu Salmah* who were confused and perplexed by the desertion of *Abdullah Bin Ubay* and his 300 men. They wanted to turn back but were persuaded afterwards not to leave the battlefield. *"And Allah was their Protecting*

Friend. In Allah should believers put their trust" i.e. they should not have felt weak when Allah (SWT) was their Protector and should have put all their trust in Him alone.

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

(123) Allah had helped you at Badr when you were a weak little force; then fear Allah; so that you may be grateful.

Allah (SWT) reminds the believers of His favors when He made them victorious and destroyed the polytheists in the *Battle of Badr* even though the Muslims were few in number and weak. Therefore, they should fear Him alone and be grateful to Him.

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾

(124) And remember when you said to the believers, is it not enough for you that Allah should help you with three thousand angels sent down?

When the Muslims saw a *Quraysh* army of 3000 men, they became disheartened as they were already reduced to 700 when *Abdullah Bin Ubay* along with his men left the battlefield and went back to *Madinah*, but the Prophet (SAW) gave them the good news to strengthen their hearts that Allah (SWT) would help them with three thousand angels.

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾

(125) But, if you hold on to patience and Taqwa, and the enemy comes rushing at you; your Lord will help you with five thousand angels having marks.

Allah (SWT) promised the believers that if they had patience and obeyed His commandments while fighting with the enemy, He would aid them with five thousand angels having marks of distinction.

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾

(126) Allah made it not but as a message of good news for you and as an assurance to your hearts. And there is no victory except from Allah, the All-Mighty, the All-Wise

i.e. whether there is a miracle or not, all help comes only from Allah (SWT) and He is in need of no one.

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

(127) That He might cut off a part of those who disbelieve, or expose them to infamy, so that they retire frustrated.

'A part or fringe of the unbelievers' may refer to the seventy chiefs of the *Quraysh* who were slain and seventy others that were taken as captive. They came for the purpose of killing the Prophet (SAW) and exterminate the Muslims but in utter despair of failing in their purpose, they went back frustrated. They withdrew utterly defeated.

(Continued at page 80)

Quarterly **HIKMAT-E-QURAN** Lahore
Apr.- Jun. 2012 Vol.31 No.2

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ـــــ اور ـــــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ـــــ اور ـــــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشاۃِ ثانیہ** ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ